ڈاکٹر عزیز احسن

نعتیہ ادب کی تخلیق، تنقید اور تحقیق کے تلازمات!

نعتیہ ادب کی تخلیق، تنقید اور تحقیق کرتے ہوئے دو باتوں کا خیال رکھنا لازمی ہے:

(۱) شعرِ عقیدت میں شعری جمالیات کے تقاضے..................اور

(۲) خیال کی بنت میں مضامین کی صحت کے تقاضے۔

(۱) شعرِ عقیدت میں شعری جمالیات کے تقاضے:

ٹی۔ایس۔ایلیٹ نے بتایا ہے:

"When we are considering poetry we must consider it primarily as poetry and not as another thing"

''شاعری کو بنیادی طور پر محض شاعری کی حیثیت سے قبول کرنا چاہیے کسی اور شے کی حیثیت سے نہیں''۔[۱]

یعنی شعری تخلیق کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ اسے محض شاعری کے اصولوں کی روشنی میں قرطاس کی زینت بنایا جائے۔ گویا نعتیہ تخلیق کا آغاز اسی نقطے سے ہوگا کہ جو شاعری ''نعت'' کے نام پر لکھی جارہی ہے آیا وہ شعری اقدار کی روشنی میں ''شاعری'' کہلانے کے قابل بھی ہے کہ نہیں۔

نقاد اور محقق کو بھی اچھی شاعری کے معیارات اور شعری جمالیات کے اصول پیشِ نظر رکھنے ہوں گے۔ اس عمل میں تنقید کے چار پہیئے "Four wheels" کام میں لائے جائیں گے، یعنی تقابل (Com parison)، تجزیہ (analysis)، امتیاز (discrimination) اور تعیینِ قدر (evaluation)۔[۲]

اس مرحلے پر شاعر، نقاد اور محقق کے لیے چند اصولوں کی نشاندہی کردینا مناسب ہے:

۱۔ لفظوں کا صحیح استعمال:

ڈاکٹر محمد ابوالخیر کشفی کی رائے ہے:

''نعت گو شاعر ہر لفظ کو اسی طرح پرکھتا ہے جیسے جوہری ہیرے کو اور پھر ہشت پہلو الفاظ کے ہیروں سے نعت کا ہار خلوص کے دھاگے سے پروتا ہے۔ نعت کے الفاظ میں: ۱۔ خلوص، ۲۔ گہری معنویت،

۳۔تہہ داری، ۴۔ع[illegible]ت، ۵۔عشق، ۶۔فکر، ۷۔روانی، ۸۔ایک دوسرے سے ہم آہنگی کا اجتماع ضروری ہے"۔[۳]

کلیم عاجز نے بڑے پتے کی بات کی ہے، وہ کہتے ہیں:

"بقول انگریزی نقاد، کولرج کہ 'شاعری یہ نہیں کہ کیا کہا گیا ہے، شاعری یہ ہے کہ کیسے کہا گیا ہے'۔ میں نے اس قول کو بہت فراخ دلی سے جانچا پرکھا اور تجربے نے یہی کہا کہ بات سچ ہے۔ اگر صرف اونچی بات ہی شاعری کہلاتی تو اونچی باتیں تو تھوڑی ہی ہیں۔ زندگی کی حقیقتیں اور سچائیاں تو شمار میں آسکتی ہیں لیکن اچھی شاعری کا شمار مشکل ہے۔ تو اچھی شاعری جو کہ کی گئی ہے وہ دراصل یہی ہے کہ کسی کہنے والے نے کسی انوکھے ڈھنگ سے کہہ دی تو کہی ہوئی بات بھی نئی ہوگئی"۔[۴]

تلفظ: شاعری میں لفظوں کو درست تلفظ کے ساتھ استعمال کرنا لازمی ہے۔ کیوں کہ لفظوں میں مستعمل حروف کی حرکات شعری سانچوں میں اپنی اصل ہیئت کو واضح کر دیتی ہیں۔ یہاں سکون کو حرکت یا حرکت کو سکون سے نہیں بدلا جاسکتا۔ نثر میں لفظ کے تلفظ کی نشاندہی، اعراب لگائے بغیر، ممکن نہیں ہوتی لیکن نظم میں لفظ کا تلفظ شعر کی خواندگی ہی سے طے ہو جاتا ہے۔ اس لیے اشعار میں لفظ کے تلفظ کی پابندی لازمی ٹھہرتی ہے۔ ادب میں عوامی سطح پر بولے جانے والے (غلط العوام) لفظوں کو استعمال کرنے کے بجائے لغت کی سند کے دائرے میں رہ کر برتا جاتا ہے۔ مثلاً عوام "برف" فتح با، سکون ثانی وسوم کے بجائے فتح را یعنی را پر زبر کے ساتھ بولتے ہیں۔ لیکن اس لفظ کے صحیح تلفظ میں را ساکن ہے، اس لیے شعر میں یہ لفظ اسی طرح لکھا جائے گا۔

معنیٰ: لفظوں کے معانی کا علم بھی شاعر کو ہونا چاہیے۔ نقاد کو اس سے بھی زیادہ معنی فہم ہونا چاہیے۔ لغت میں ہر لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں۔ شاعر اپنے شعر میں متعین معانی کا پابند تو نہیں ہے لیکن ایسا بھی نہیں کہ وہ معانی کے کسی بھی لونی عکس کا پابند نہ ہو۔ زبان کسی شاعر کی انفرادی کوشش سے معانی میں تبدیلی نہیں کرتی ہے۔ یہ الگ بات کہ شاعر نے اپنے آپ کو اتنا منوالیا ہو کہ کہہ سکے:

"سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا   مستند ہے میرا فرمایا ہوا"[۵]

لیکن یہ بات میر ہی کو زیب دیتی ہے۔ ہر ہما شما، لفظوں کو اپنی مرضی سے نہیں برت سکتا۔ چنانچہ نعت گو شعرا کو بھی لفظوں کے لغوی اور مرادی معانی کے تمام عکس سامنے رکھنے چاہئیں۔ نقاد بھی اسی کسوٹی پر نعتیہ اشعار کو پرکھے گا۔ کیوں کہ نعت میں لفظوں کے معانی قطعیت کے ساتھ طے ہونا ضروری ہیں۔ یہاں ابہام یا ذومعنویت کے عناصر بہت خطرناک نتائج مرتب کرسکتے ہیں۔

عروض: ہماری کلاسیکی یا روایتی اصنافِ سخن مثلاً غزل، رباعی، قطعہ، مثنوی، مسدس، مسمط، مخمس، ترجیع بند وغیرہ،

صنفی ہیئت کے علاوہ عروضی اوزان و بحور کی بھی پابند ہوتی ہیں۔ یہ ضروری تو نہیں کہ ہر شاعر عروض داں ہو۔لیکن ہر شاعر کا موزوں طبع ہونا بہر حال لازمی ہے۔ ورنہ وہ بے وزن اشعار کہے گا اور خود اپنا مذاق اڑوائے گا۔

اسی طرح نقاد کے لیے اشعار کی موزونیت جاننے کا فطری ہتھیار تو اس کا وجدان ہے، لیکن عروضی حوالے سے اشعار کو پرکھنے کے لیے علمِ عروض کی شد بد بھی ضروری ہے۔

اصنافِ سخن کی ہیئت:

اصنافِ سخن کی شناخت مختلف ہیئتوں میں ہوتی ہے۔ مثلاً غزل، جس کے ہر شعر میں دو مصرعے ہوتے ہیں اور ہر شعر اپنی معنیاتی اکائی کا غماز ہوتا ہے۔ قصیدہ، جس کا مطلع غزل کے مانند ہوتا ہے اور ہر شعر بھی غزل سے مشابہ ہوتا ہے کیوں کہ اس میں قافیہ اور ردیف (اگر شعر، مردف ہو تو) کی پابندی ضروری ہے۔ البتہ قصیدے کی زبان پرشکوہ (بھاری بھرکم الفاظ سے لبریز) ہوتی ہے کیوں کہ اس میں شاعر اپنی علمی لیاقت کا اظہار بھی کرتا ہے۔ مثنوی کا ہر شعر غزل کے مطلع کے مانند ہوتا ہے۔ یعنی مثنوی کا ہر شعر ہم قافیہ بھی ہوتا ہے اور اگر ردیف موجود ہے تو بیت کے دوسرے مصرعے میں ردیف کی تکرار بھی لازمی ٹھہرتی ہے۔ رباعی کے اوزان کا ایک الگ جہان ہے۔ اس کے لیے چوبیس بحریں مقرر ہیں اور متن میں فلسفیانہ گہرائی بھی ضروری ہے۔ مسدس کے چھ مصرعوں کی جو ترتیب مقرر ہے وہی ہوگی، وغیرہ وغیرہ۔ ایسی صورت میں شاعر پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ کسی صنفِ سخن کو استعمال کرتے ہوئے اس کے ہیئتی تقاضے جانے اور برتے۔ نقاد بھی انھی اصولوں کے تحت اس شاعری کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھے گا۔

دیگر شعری اصناف مثلاً نظمِ معریٰ، نظمِ آزاد، سہ مصرعی یا ثلاثی، ہائیکو، نثری نظم، وغیرہ وغیرہ۔ ان میں سے ہر صنف کے کچھ اصول ہیں؛ ہر صنف کی تخلیقی جمالیات ہے، اس لیے پہلے تو شاعر کے لیے لازمی ہے کہ وہ ان اصناف کے صنفی تقاضوں کا خیال رکھے، بعد ازاں نقاد کی ذمہ داری ہے کہ ان اصناف کے صنفی تقاضوں اور شعری جمالیات کی روشنی میں ایسی شاعری کا جائزہ لے۔ محقق کو تو ہر لحاظ سے یہ نکات مدِ نظر رکھنے ہوں گے۔

صنائع بدائع کے استعمالات کا جائزہ:

شاعری میں حسن پیدا کرنے کے لیے خیال کو اچھے سے اچھے اور انتہائی موزوں الفاظ کا جامہ پہنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کوشش میں شاعر کبھی لفظوں کی تکرار اور کبھی صوتی ہم آہنگی کے لیے کچھ صنائع بدائع کا استعمال بھی کرتا ہے۔ صنائع بدائع کے بالقصد استعمال سے، اشعار میں کچھ حسن تو پیدا ہو جاتا ہے لیکن تصنع اور بناوٹ کا عنصر بھی داخل ہو جاتا ہے۔ تاہم محتاط کاوش، شعری حسن کے ساتھ تاثر میں اضافے کا باعث بھی بن سکتی ہے۔

جدید عہد خیال کی ترسیل میں ندرت پیدا کرنے کا ہے، صنائع بدائع کے اظہار کا نہیں۔اس لیے شاعر، نقاد اور محقق کو ان باتوں کا خیال رکھنا ہوگا۔

شعری جمالیات:

اچھے اور برے اشعار میں امتیاز کرنے کی غرض سے شاعر پر لازم ہے کہ اپنے تخلیقی سرمائے کو پرکھنے کے لیے کلاسیکی اور جدید ادب کی شعری تخلیقات کا بغور مطالعہ کرے۔نقاد اور محقق بھی کسی شعری تخلیق کا تجزیہ کرنے کے لیے قدیم و جدید شعرا کی تخلیقات کے گہرے مطالعے کی بنیاد پر کوئی رائے قائم کرنے کی سعی کریں۔

معائبِ سخن سے گریز:

- شاعر کے لیے معائبِ سخن سے بچنا بھی ضروری ہے مثلاً اسے معلوم ہونا چاہیے کہ عیبِ تنافر کیا ہے اور کیسے پیدا ہوتا ہے؟
- ☆ کلام میں عیبِ تنافر اس وقت پیدا ہو جاتا ہے جب کسی مصرع میں ایک لفظ کا آخری حرف اور دوسرے لفظ کا پہلا حرف مل کر یک آہنگ ہو جائیں......جیسے

ہے حمدِ ربِ جہاں لاالہٰ الااللہ — کہ ہے جہاں میں اماں لاالہٰ الااللہ
تو سایہء رب ہے تو کہاں عقل کی زد میں — مخلوق تیرے رتبے سے آگاہ ہی نہیں ہے

پہلے شعر میں ''ہے'' کی ہائے ہوز کی آواز حمد کی حائے حطی میں مدغم ہو رہی ہے۔اور دوسرے شعر میں ''آگاہ'' کی ہائے ہوز ''ہی'' کی ہائے ہوز سے مل کر ایک آواز نکال رہی ہے،جس سے لفظ ''آگاہی'' بن رہا ہے۔یہ عیبِ تنافر ہے۔(واضح رہے کہ یہ اشعار بہت ہی کمزور ہیں لیکن یہاں شعر کی خوب صورتی یا بد صورتی کا ذکر نہیں، عیبِ تنافر کی مثال دینی ہے)۶

وہی ہے مالک وہی ہے مولا وہی الہ ہے وہی احد ہے
وہی ہے دائم مرا ہے دعویٰ وہی الہ ہے وہی احد ہے

اس شعر میں اِلہٰ کی ہائے ہوز بھی ''ہے'' کی ہائے ہوز کے ساتھ مل رہی ہے اور صرف ایک ''ہ'' کی آواز قائم رہ سکتی ہے۔چنانچہ الہٰ کے بجائے ''اِلاہے'' پڑھا جا رہا ہے۔یہ عیب اصوات کے ادغام کی وجہ سے بہت سنگین ہو گیا ہے۔۷

عیبِ تنافر کی ایک اور مثال دیکھیے:

احمد فراز نے ایک مصاحبے میں بتایا کہ ذوالفقار علی بخاری کے سامنے انھوں نے اپنا ایک شعر پڑھا:

فراز تیری محبت کا پاس ہے ورنہ — یہ کیا ضرور وہ صورت سبھی کو پیاری لگے

تو بخاری صاحب نے کہا ''ہاں بیٹا'' کیا کپاس کہا ہے۔ یہ سن کر فرازؔ نے مصرع بدل دیا

ع فراز تیرے جنوں کا خیال ہے ورنہ 8

❁ اب دیکھیے، تعقید کسے کہتے ہیں اور اس کی موجودگی سے شعر میں کیسی کراہیت پیدا ہو جاتی ہے؟

☆ عیبِ تعقید اس وقت پیدا ہوتا ہے جب الفاظ شعری بُنت میں آگے پیچھے آئیں اور لفظوں کی ترتیب بگڑی ہوئی معلوم ہو۔

جب نقشِ کفِ پائے نبیؐ چوم ہیں آتیں ہر دید طلب دل میں اترتی ہیں یہ آنکھیں

دامانِ طلب گار ہیں بھر جاتے گہر سے جب فیض رساں در سے گزرتی ہیں یہ آنکھیں

پہلے شعر میں شاعر کہنا چاہتا ہے کہ جب میری آنکھیں نقشِ کفِ پائے نبیؐ چوم کر آتی ہیں تو جن لوگوں کے دلوں میں دید کی طلب ہے ان کے دلوں میں میری آنکھیں اتر جاتی ہے۔ یعنی وہ میری آنکھوں کو رشک سے دیکھتے ہیں۔ اس شعر کے پہلے مصرعے میں تعقید بھی ہے اور مصرعے کی بُنت بھی بڑی کمزور ہے۔ ''چوم کے آتی ہیں'' کی جگہ ''چوم ہیں آتیں'' میں الفاظ بے ترتیب ہیں۔

دوسرے شعر میں ''دامانِ طلبگار بھر جاتے ہیں'' کی جگہ ''ہیں بھر جاتے'' میں تعقید ہے۔ 9

❁ شترگربہ کیا ہوتا ہے اور اس عیب سے شاعری میں کیا خرابی پیدا ہوتی ہے؟

☆ شتر اونٹ کو کہتے ہیں اور گربہ بلی کو۔ لہٰذا جب آپ کے ساتھ تم یا تیرا، تیری آئے تو اس کو عیب شُترگربہ کہتے ہیں۔ جیسے:

مانا حقیر ہیں ہم، پر آپؐ سے ہے نسبت تم ہو سراپا رحمت، عاشق ہیں ہم تمہارے

معراج کے سفر میں، مہماں خدا کے گھر میں رب نے کہا کہ پیارے ہم تیرے تم ہمارے

اشعار دونوں بہت کمزور اور ناقص ہیں لیکن اس موقع پر صرف شترگربہ سمجھ لیجیے۔ پہلے شعر کے مصرعہء اولیٰ میں ''آپؐ'' سے حضورِ اکرم ﷺ سے تخاطب ہے، جبکہ دوسرے مصرعے میں ''تم......اور تمہارے'' سے خطاب ہے۔ دوسرا شعر انتہائی رکیک اور مبتذل ہے۔ رب تعالیٰ سے منسوب بات کذب کی انتہا ہے۔ لیکن مصرعہء ثانی میں ''ہم تیرے تم ہمارے'' میں تیرے اور تم کی وجہ سے شترگربہ کا عیب بھی پیدا ہو گیا ہے۔ 10

معائبِ سخن کی فہرست خاصی لمبی ہے۔ لہٰذا صرف اتنا کہہ کر ہم آگے بڑھنا چاہتا ہوں کہ نعت گو شاعر کو بھی معائبِ سخن سے بچنا چاہیے اور نقاد کو بھی ایسے عیوب شاعری میں دیکھتے ہوئے خاموش نہیں رہنا چاہیے، محقق کو بھی اس پہلو پر نظر رکھنی چاہیے۔ بعض لفظوں کا استعمال تو از روئے قرآن ممنوع ہے۔ مثلاً ''راعنا'' کے بجائے ''انظرنا'' کا لفظ استعمال کرنے کا قرآنی حکم (آیت نمبر ۱۰۴ سورۃ البقرہ) سب کے سامنے رہنا لازمی ہے۔

شعری معیارات کے حوالے سے بات سمیٹتے ہوئے مجھے ڈاکٹر ریاض مجید کی ایک تحریر یاد آ گئی۔ وہ کہتے ہیں:

> ''نعت محض ایک موضوع نہیں ایک فنی کل (whole) ہے۔ ایک ایسی تخلیقی اور نامیاتی وحدت، جس میں خیال، لفظ، اسلوب، ہیئت، آہنگ اور دوسرے اسلوبیاتی وسائل اور شعری محاسن، ایک موثر فنی اکائی کی طرح تخلیق یاب ہوتے ہیں۔ نعتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرکزی و محوری موضوع آپ کی ذاتِ گرامی سے محبت کا اظہار اور آپ کی شخصیتِ ستودہ صفات کا تذکار ہے۔ اس موضوع سے ہزاروں مضامین نے جنم لیا''۔[۱۱]

(۲) خیال کی بنت میں مضامین کی صحت کے تقاضے:

نعتیہ ادب میں تخلیق کار، نقاد اور محقق کی یہ ذمہ داری ہے کہ ہر سطح پر ''صداقت'' کی جستجو کرے۔ یعنی تخلیق کار ہر وہ بات شعری زبان میں بیان کرے جو قرآن و سنت اور آثارِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حوالے سے درست طور پر شاعر تک پہنچی ہو۔ نقاد اسی پیمانے پر شعرِ عقیدت کی پرکھ کا کام انجام دے اور محقق بھی اسی نہج پر تحقیق کرے۔

بدقسمتی سے اردو نعت میں غیر محتاط شعرا نے بہت سی ایسی روایات کو تلمیحاتی سطح پر عام کر دیا ہے جن کی اصل یا تو اسرائیلیات کی من گھڑت حکایات ہیں یا گمراہ فرقوں کی موضوعات۔ اس کی مثال جاننے کے لیے علامہ شہزاد مجددی کی تحقیقی کاوش کا صرف ایک نمونہ پیش کرنا ہی کافی ہوگا:

......محمد شہزاد مجددی نے ایک بہت مشہور روایت "الفقر وفخری و به افتخر" (فقر میرا فخر ہے اور میں اس کے ساتھ مفتخر ہوں) بے اصل بتاتے ہوئے امام ابنِ تیمیہؒ، العسقلانی، شیخ محمد پٹنی اور ان کے شیخ، حافظ ابن حجر اور محدث بریلوی حضرت احمد رضا خاںؒ وغیرہم کے حوالے سے اس روایت کو ''موضوع'' اور ''باطل'' لکھا ہے۔ اپنی تحقیق کو پیش کرتے ہوئے انہوں نے فتاویٰ الرضویہ جلد ششم کے صفحہ نمبر ۱۲۶ کا حوالہ بھی دیا ہے[۱۲]۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث نقل کر کے اس کے معانی کی تفہیم کے لیے بھی زعمائے حدیث کے حوالے دیے ہیں۔ حدیث شریف ہے "اللھم احینی مسکیناً و امتنی مسکیناً و احشرنی فی زمرہ المساکین" (اے اللہ! مجھے مسکین ہی زندہ رکھ، مسکنت میں موت دے اور مساکین کے ساتھ میرا حشر فرما)۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''اس روایت کو امام ترمذی نے غریب کہا اور اس کی سند میں ضعف ہے۔ ابن ماجہ، حاکم اور بیہقی نے اسے الگ الگ طریق سے روایت کیا ہے...... امام بیہقیؒ کہتے ہیں میرے نزدیک اس کی صورت یہ ہے کہ رسول ﷺ نے یہاں اس مسکنت کا سوال نہیں کیا جس کا معنی قلت لیا جاتا ہے بلکہ آپؐ نے

اس مسکنت کا سوال کیا ہے جس کا معنی انکسار اور عاجزی لیا جاتا ہے۔ ایک اور قابلِ غور امر یہ ہے کہ صحیح احادیث میں حضور علیہ کا فقر سے استعاذ اور پناہ مانگنا ثابت ہے اور آپ نے صحابہ کرامؓ کو بھی اس کی تعلیم فرمائی ہے۔ چنانچہ صحیحین میں فقر سے استعاذ کے الفاظ یوں مروی ہیں: "اللھم اعوذ بک من فتنة الفقر" ترجمہ: اے اللہ! میں فقر کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں (بخاری الدعوات رقم ۵۸۹۱ مسلم فی الذکر والدعا رقم ۴۸۷۷)۔ سنن ابی داؤد میں عبدالرحمن بن ابی بکر کی روایت میں دعائیہ کلمات یوں ہیں: اللھم انی اعوذ بک من الکفر و الفقر (ابوداؤد......۴/۳۲۴ رقم ۵۰۹۰) ترجمہ: اے اللہ! میں کفر وفقر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ یہاں کفر کے ساتھ فقر کا تذکرہ لائقِ عبرت بھی ہے اور محلِ تنبیہ بھی۔ صحیح ابن حبان میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے: فقال رجل و یعتدلان؟ قال نعم (الاحسان ۳/رقم ۱۰۲۶) ترجمہ: ایک شخص نے پوچھا کیا یہ دونوں برابر ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ مسند احمد اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ تعوذ و بالله من الفقر (احمد رقم ۳/۱۰۸۷۳، ابنِ حبان، ۱/۲۳۹: رقم ۹۷۹) ترجمہ: فقر سے اللہ کی پناہ مانگو۔ سننِ نسائی میں ہے۔ نعوذ و من الفقر و فاقه، ترجمہ: فقر وفاقہ سے اللہ کی پناہ مانگو۔ (نسائی: ۵۷۷۵)...... الغرض احادیثِ صحیحہ میں فقر سے پناہ ونجات اور برات کے مضامین کثرت سے ملتے ہیں۔ یہاں ایک بات کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ حضور علیہ نے اپنے لیے موجود، مذکور اور منصوص فضائل کا اظہار بھی فخر سے نہیں فرمایا ہر جگہ فرمایا "ولا فخرّ و لا فخر" کی تکرار سے اپنے رب کی بارگاہ میں اظہارِ عبودیت اور تواضع فرمایا ہے"۔[۱۳]

اس لیے نعت گو شعرا نعتیہ ادب کے محققین اور شعرِ عقیدت کی تنقیدی سرگرمیوں سے وابستہ اہلِ قلم کو چاہیے کہ نبی علیہ السلام سے منسوب ہر روایت کو اچھی طرح پرکھنے کے بعد قبول کریں۔ کیوں کہ یہ معاملہ صرف بیان کی فصاحت اور بلاغت ہی کا نہیں ہے بلکہ ایمان کی حفاظت اور عقبیٰ کے مواخذے سے بچنے کا بھی ہے۔ دو احادیث اور بھی دیکھ لیجیے:

> من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدهٗ من النار (: جس نے قصداً مجھ پر جھوٹ باندھا اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیا...... متفق علیہ)............... کفی بالحرء کذباً ان بحدث بکل ما سمع (کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے بیان کردے)۔[۱۴]

نعت کے مافیہ (content) یا متن (text) کی اہمیت ہر قسم کی شاعری کے مافیہ سے زیادہ ہے۔ نعت کے نفسِ مضمون کے فکری رشتے قرآن وحدیث سے بڑے گہرے ہیں۔ اس لیے قرآن وحدیث کے مفاہیم کو شعری قالب میں ڈھالنے کے ہنگام استنادی شان کو برقرار رکھنا' تاریخ اسلام کے مستند حوالوں کو

شعری پیکر دینا بہت ضروری ہے۔اس موقع پر اپنے جذبات، اپنی خواہشات اور اپنے مذہبی تعصّبات کو قابو میں رکھتے ہوئے راہِ مستقیم پر چلنا اور وادیِ نعت سے سرخرو گزر جانا بہت بڑی کامیابی کی دلیل ہے۔کیوں کہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ سچائی کا عنصر ہر سطح پر برقرار رہ سکے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"لا یجمع الله هٰذِهِ الامة علیٰ الضلالة ابدا" (اللہ تعالیٰ اس امت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا)"۔......"اِنَّ اُمَّتِیْ لَا تَجْتَمِعُ عَلَی ضَلَالَةٍ فَاِذَا رَاَیْتُمُ اخْتِلَافاً فَعَلَیْکُمْ بِالسَّوَادِالْاَعْظَمِ ○ (میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔اگر تم امت میں اختلاف دیکھو تو بڑی جماعت کے ساتھ موافقت لازم ہے) ۱۵؎

اس حدیث کی روشنی میں امت کے سوادِ اعظم کی مستند روایات اور صحاح ستہ اور احادیث و سیَر کی امہاتِ کتب کا مطالعہ کرنا شاعر کے لیے بھی ضروری ہے نقاد کے لیے بھی اور محقق کے لیے بھی لازمی ہے۔

شاعری میں جذبہ اور احساس ہی شعر کا حسن بڑھاتا ہے۔تاہم نعتیہ شاعری میں جذبے اور احساس کے ارتعاشات کو شعری پردے پر ابھارنے کا عمل انتہائی سچائی اور احتیاط کا تقاضا کرتا ہے۔

جدید عہد نے نعتیہ مضامین کو بڑی وسعتوں سے ہمکنار کیا ہے۔ان موضوعات میں کیا کیا شامل ہے؟ اس طرح کی کوئی فہرست بنانا تو ممکن نہیں ہے لیکن ہم اس مسئلے کو چند احساساتی اور فکری ابعاد (dimensions) کے حوالے سے دیکھ سکتے ہیں۔مثلاً

۱۔ حضورِ اکرم ﷺ کی ذات کے جمالِ صوری کے حوالے سے بھی شعر کہے جاسکتے ہیں

۲۔ حضورِ اکرم کے اسمائے مبارکہ کی معنوی تنویر سے بھی اشعار میں جگمگاہٹ پیدا کی جاسکتی ہے

۳۔ حضورِ اکرم ﷺ کے جمالِ معنوی یعنی اسوۂ مقدسہ کے حوالے سے بھی اظہارِ خیال کیا جاسکتا ہے

۴۔ شاعر، حضورِ اکرم ﷺ کی الفت اور آپ کی اتباع کی آرزو کا اظہار بھی کرسکتا ہے

۵۔ حضورِ اکرم ﷺ کی تعلیمات کا ذکر بھی جزوِ نعت بن سکتا ہے

۶۔ حضورِ اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی کسی ادا کا ذکر بھی نعت کی زینت بن سکتا ہے

۷۔ حضورِ اکرم ﷺ کا تعلق مع اللہ بھی نعت سے مترشح ہوسکتا ہے۔(ایسے تعلق کو صوفیائے کرام نبی ﷺ کی جہتِ ولایت سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی بنیاد پر نبی ﷺ کی ولایت کو ان کی جہتِ نبوت سے افضل جانتے ہیں......لیکن یہ بڑا نازک معاملہ ہے)۔

۸۔ نبی ﷺ کا تعلق مع الخلق بھی نعت کا موضوع ہے۔دراصل یہی نبوت کی غرض وغایت ہے۔نبی

ہی تو خلق کو خالق سے متعارف کرواتا ہے اور خالق کے احکامات سے آگاہ کرتا ہے

۹۔ نبی ﷺ کی ذات کی عظمت کے حوالے سے بھی نعت میں روشنی پیدا کی جاسکتی ہے

۱۰۔ نبی ﷺ کے معجزات کے ذکر سے بھی نعت لکھی جاسکتی ہے

۱۱۔ اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے نبی اکرم ﷺ کے تعلق کا اظہار بھی نعت ہے

۱۲۔ نبی ﷺ کا اپنے اہل بیت یعنی آپ کی ازواجِ مطہرات کے ساتھ تعلق کا ذکر بھی مدح رسول ﷺ ہی کے ذیل میں آتا ہے

۱۳۔ نبی ﷺ کا اپنی آل کے ساتھ تعلق بھی نعت کا موضوع ہے

۱۴۔ نبی ﷺ کے اقوال یعنی حدیثِ پاک کے حوالوں سے بھی نعت مزین ہوسکتی ہے

۱۵۔ نبی ﷺ کے اعمال کے ملفوظی اظہار کو بھی نعت کہا جاتا ہے

۱۶۔ نبی ﷺ کے ایسے معاملات بھی نعت کا جزو بن سکتے ہیں جن میں آپ ﷺ نے کسی کو کوئی ایسا عمل کرتے دیکھا جس کی کوئی نظیر موجود نہ تھی، تب بھی آپ نے منع نہیں فرمایا۔ نبی اکرم ﷺ کے ایسے رویئے یعنی ''سکوت'' کو اصطلاحاً ''تقریر'' سے تعبیر کیا جاتا ہے

۱۷۔ حضورِ اکرم ﷺ کے غزوات کا ذکر بھی نعت ہے

۱۸۔ حضورِ اکرم کے خطبات کے منظوم اظہار کو بھی نعت کہتے ہیں

۱۹۔ حضورِ اکرم ﷺ کی بزم آرائی کے ذکر کو بھی نعت کہتے ہیں

۲۰۔ شاعر کی طرف سے اپنے غم کا استغاثے کی شکل میں اظہار بھی نعت ہے

۲۱۔ امت کی طرف سے استغاثہ پیش کرنے کا عمل بھی نعت ہے

۲۲۔ شفاعت طلبی کی التماس بھی نعت ہے

۲۳۔ خواب میں حضورِ اکرم ﷺ کے دیدار کی آرزو کا شعری اظہار بھی نعت ہے

۲۴۔ حضورِ اکرم سے نسبت رکھنے والے اشخاص، اصحاب، ازواج اور اشیاء کا ذکر بھی نعت ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اقوال یا تاریخی حوالوں سے بات بالکل سچی ہو اور بیان میں اعتدال رہے

۲۵۔ ہر اس خطے کا ذکر بھی نعت بننے کا متحمل ہوسکتا ہے، جس میں حضورِ اکرم ﷺ نے اپنی حیاتِ دنیوی میں قدم رنجا فرمایا

۲۶۔ مدینہ منورہ کا ذکر، اس تک رسائی کی آرزو اور اس شہر کی فضیلتوں کا بیان، سب نعت ہے

۲۷۔ گنبدِ خضریٰ کا تذکرہ بھی نعت ہے اور مسجدِ نبوی کا حوالہ بھی نعت ہے

۲۸۔ شاعر اپنے احساسات کی سچی عکاسی کرتے ہوئے حب رسول ﷺ کا اظہار کرے تو وہ بھی نعت ہی ہے

غرضیکہ اس موضوع کے ہزار ہا زاویے ہیں۔ شاعر کے احساسات، اس کے قلبی احوال، ہجر نبوی کا اظہار، مدینہ طیبہ سے دوری کے احساس کا شعری مرقع، مدینہ پہنچ جانے پر اپنے نصیب پر رشک اور حیرت و استعجاب میں ڈوب جانے کی کیفیت کا اظہار وغیرہ، سب ہی کچھ تو نعت کا موضوع بن جاتا ہے۔ شرط صرف اتنی ہے کہ بیان میں اعتدال ہو، اظہار میں سچائی ہو، تلمیحات کا پس منظر بالکل درست اور مستند ہو۔

شاعروں کے لیے یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ اگر وہ براہِ راست حضورِ اکرم ﷺ سے مخاطبہ کریں تو اس میں قرآنِ کریم کی ہدایات کو پیشِ نظر رکھیں۔ قرآن کریم میں ہے:

يَاۤ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ بلند کرو اپنی آوازیں اوپر نبی کی آواز کے اور نہ اونچی کرو اپنی آواز اس کے سامنے بات کرتے وقت جیسے اونچی آواز میں بولتے ہو تم ایک دوسرے کے ساتھ، کہیں ایسا نہ ہو کہ غارت ہو جائیں تمہارے اعمال اور تمہیں خبر بھی نہ ہو) ۱۶

ممنوعاتِ نعت:

نعت کے اشعار کی شعری بُنت میں شرعی حدود کا خیال رکھنے کے لیے کچھ امتناعی زاویوں کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ مثلاً

۱۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اس تصور کے منافی کوئی خیال شعر میں نہیں باندھنا چاہیے۔ علامہ رزمی جے پوری کہتے ہیں:

محمدؐ کو خدا کہنا، خدا کو مصطفا کہنا — یہ ہے ترکِ مدارج، شرک ہے، الزام و تہمت ہے ۱۷

☆ حضورِ اکرم ﷺ، اللہ رب العزت کے بندے ضرور ہیں لیکن اللہ کی تمام مخلوقات میں صرف آپ ﷺ کی ذات افضل ہے۔ ع...... بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

لیکن ہمارے شاعر حضورِ اکرم ﷺ کی محبت میں انہیں وہی نام دینے کی کوشش کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں۔ جیسے:

وہ احمد، اللہ احد ہے — اسمِ محمد اسمِ صمد ہے ۱۸
وہ والی وہ عالی ہے — وہ مالک ہے وہ مولا
اللھم صلِ علیٰ ۱۹

پہلے شعر میں شاعر نے اسمِ محمد کو اسمِ صمد کہا ہے۔ یہ تو مسلمانوں کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ اللہ نے سورۂ اخلاص میں اپنا تعارف ''اللہُ الصَّمد'' کہہ کر کروایا ہے۔ یہی حال ''والی'' اور ''مالک'' کا ہے۔ یہ دونوں نام بھی اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں۔

حضورِ اکرم ﷺ کی اسم شماری میں شاعروں نے ذرا احتیاط نہیں کی ہے۔ مثلاً عربی کا ایک جملہ ہے ''صلِ علیٰ''.....صَلِّ (فت ص، شدل بکس)[فعلِ امر].....رحمت نازل فرما۔ درود و سلام بھیج.....علیٰ یعنی اوپر۔

اس صورت میں صرف صَلِّ علیٰ کہنے سے بات مکمل نہیں ہوتی ہے۔ صَلِّ علیٰ محمد کہنے سے بات بنتی ہے۔ لیکن بعض شعرا یہ جانے بغیر ایک مجہول فقرہ ہی لکھتے ہیں۔ ستم تو یہ ہے کہ بعض شعرا اس مجہول فقرے کو حضورِ اکرم ﷺ کا اسمِ گرامی سمجھتے ہیں۔ جیسے:

صَلِّ علیٰ ہی والیِ کل ہے　　　صَلِّ علیٰ ہی حامیِ کل ہے
صَلِّ علیٰ ہی والیِ کل ہے　　　صَلِّ علیٰ سردارِ رسل ہے
رحم و کرم ہے اس کا لاحد ۲۰　　　صَلِّ علیٰ ہے اسمِ احمدؐ

اس لیے حضورِ اکرم ﷺ پر درود بھیجنے کی درخواست کے لیے صرف ''صَلِّ علیٰ'' کہہ دینا کافی نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے اسمِ گرامی کے طور پر یہ مجہول فقرہ استعمال کرنا تو اور زیادہ قابلِ گرفت ہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ کسی اور کو آپ ﷺ کا ہم مرتبہ یا ہم رتبہ ظاہر کرنا۔ کسی خاص صفت میں نبی ﷺ کا شریک قرار دینا۔ صریحاً شرک فی النبوت ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ کی ذات ہی صرف وجہِ تخلیقِ کائنات ہے۔ صرف حضورِ اکرم ہی کی ذات ''معصوم عن الخطاء'' ہے۔ حضورِ اکرم کے قرابت دار، اصحاب اور ازواج سب ''محفوظ عن الخطاء'' ہیں۔ یہ نکتہ ضرور ملحوظ رہے۔

☆ محض عوام میں مقبولیت حاصل کرنے کے خیال سے کسی فلمی گانے کی طرز پر نہ تو شعر کہے جائیں اور نہ ہی اس گانے کی دھن اپنائی جائے۔

☆ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا مطالبہ نہ کیا جائے کہ ''آپ ایک بار پھر دنیا میں تشریف لا کر ہماری حالتِ زار ملاحظہ فرمائیں''۔ کیوں کہ اسلام میں آپ ﷺ کی بعثتِ ثانی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ استغاثہ، بحدِ اعتدال پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

☆ انبیائے سابقین کی ذات سے حضورِ اکرم کی ذاتِ اقدس کی افضلیت ثابت کرتے ہوئے کہیں ان انبیاءِ کرام علیہم السلام کی توہین کا پہلو نہ نکلے۔ اس ضمن میں بہت احتیاط درکار ہے۔

☆ کسی صحابی یا آپ کے کسی رشتہ دار امتی کا ذکر اس طرح نہ کیا جائے کہ حضورِ اکرم ﷺ کی تبلیغی

سرگرمیوں کی کام یابی کا سہرا ان کے سر باندھنے کی کوشش ظاہر ہو۔ یا یہ ظاہر ہو کہ اگر وہ صحابی نہیں ہوتے تو دین پھیلتا ہی نہیں۔ تمام اصحاب النبی ﷺ، ازواج النبی ﷺ اور نبی ﷺ کے ہاشمی قرابت دار، امت کے لیے محترم ضرور ہیں لیکن حضور ﷺ کے صرف خادم اور امتی ہیں۔

☆ معراج میں اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم ﷺ کو اپنی نشانیاں دکھانے کے لیے فلک الافلاک کی سیر کرائی تھی۔ اسی بات کا ذکر قرآنِ کریم میں ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بات نہیں ہے۔ معراج کی تفصیلات قرآن کریم میں موجود ہیں اور تفاسیر میں معراج کی روایت صحیح احادیث کی روشنی میں بھی ملتی ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ "اللہ نے حضور اکرم ﷺ کو دیدار کے لیے طلب فرمایا تھا" بڑی بھاری غلطی اور ظلم ہے کیوں کہ اللہ کی شان "البصیر" کا استخفاف ہوتا ہے۔

☆ معجزات کے بیان میں بھی صرف حضورِ اکرم ﷺ کی عظمت کا خیال پیش کیا جائے، کسی صحابی کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے کسی معجزے کا تصور پیش کرنا بہت بڑی جسارت ہے۔

☆ نعتیہ اشعار میں اصحاب النبی ﷺ، ازواج النبی ﷺ اور نبی علیہ السلام کے قرابت داروں کا ذکر مناقب کے اشعار کی صورت میں آ تو سکتا ہے۔ لیکن صرف اس لیے کہ ان اشعار سے حضور ﷺ ہی کی عظمت ظاہر ہو۔ ان حضرات میں سے کسی کا بھی حسنِ سیرت و کردار، کرامت اور حسنِ معنوی، صرف اور صرف حضور اکرم ﷺ کی تربیت اور فیضانِ نظر کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

☆ تاریخی استناد کی روشنی میں نعتیہ اشعار کی پرکھ کے اصول:

تاریخی واقعات کو بھی اپنے تعصب کی نذر نہیں کیا جانا چاہیے..... تاریخ میں لکھا ہے اور بہت لوگوں نے بغیر تحقیق یہ بات باور کر لی ہے کہ فتح مکہ کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضورِ اکرم ﷺ نے اپنے کاندھوں پر اٹھایا اور بلندی پر نصب بت کو توڑنے کا حکم فرمایا۔ یہ واقعہ درایت کی رو سے بھی غلط ہے اور روایت بھی اس کی بالکل غلط ہے۔ علامہ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی نے بروایت سنن ابی داؤد لکھا ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ضرور تھے لیکن علی بن ابی طالب نہیں بلکہ نواسہء رسول ﷺ، حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے فرزند علی بن ابی العاص رضی اللہ عنہ تھے:

> "فحمل علی بن ابی العاص علیٰ عاتقه یعنی آپ ﷺ نے علی بن ابی العاص کو اپنے کاندھے پر اٹھایا"۔[۲۱]

رحمۃ للعالمین کے مصنف قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے لکھا ہے کہ: "فتح مکہ کے دن یہی علی سبطِ رسول، نبی ﷺ کے ناقہ پر حضور کے ردیف تھے"[۲۲]

یہ تو صرف ایک مثال ہے تاریخ میں بے احتیاطیوں اور قصداً داخل کی جانے والی جھوٹی روایتوں کی وجہ سے آج امت میں انتشار ہے۔

شعرا، نقادانِ فن اور محققین کی توجہ مبذول کروانے کی غرض سے چند ایک ایسی مثالیں پیش کر دینا ضروری ہے جن کی شعری بنت، قرآن، حدیث یا تاریخی سند سے متصادم ہے:

ا۔ واقعۂ معراج:

اردو نعتیہ شاعری میں سب سے زیادہ جس واقعے کو خیالی شاعری کے ذریعے روحِ قرآن کے خلاف شعری بنت میں لایا گیا ہے، وہ واقعۂ معراج ہے۔ اس کی بے شمار مثالیں نعتیہ ادب کا حصہ بن چکی ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے صاف بیان فرمایا ہے:

> ''(ہر عیب سے) پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک۔ بابرکت بنا دیا ہم نے جس کے گرد و نواح کو تا کہ دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں''۔[۲۳]

اس کے علاوہ سورۂ نجم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> ''جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا۔ نہ درماندگی ہوئی چشمِ (مصطفیٰ) اور نہ (حد ادب سے) آگے بڑھی۔ یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں''۔[۲۴]

ضیا القرآن میں پیر محمد کرم شاہ الازہری نے تفسیر مظہری کے حوالے سے لکھا ہے:

> ''یعنی آیاتِ کبریٰ سے مراد عالمِ ملکوت کی وہ عجیب و غریب چیزیں ہیں جن کا مشاہدہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سفرِ معراج پر جاتے ہوئے اور واپسی کے دوران میں کیا جیسے براق، سمٰوات، انبیاء، فرشتے، سدرۃ المنتہیٰ، جنت الماویٰ وغیرہا.......... ان اشیاء کو آیاتِ کبریٰ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان آیات کے ساتھ جن مخصوص تجلیات کا تعلق ہے اور اللہ کی رحمتوں اور برکات کا نزول جس کثرت سے ان پر ہوتا ہے، وہ کسی دوسری آیت کو نصیب نہیں''۔[۲۵]

آیاتِ قرآنی کے ترجمے اور کچھ تفسیری حاشیئے سے سفرِ معراج کی غرض و غایت واضح ہو جاتی ہے۔ لیکن ہمارے شعرا اس سفر سے عجیب و غریب باتیں منسوب کر کے اپنے اشعار کو چٹخارے دار بنانے میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ مثلاً:

''کچھ اس انداز سے بختِ شبِ معراج چمکا ہے   اجالا تو اجالا ہے، اندھیرا بھی اندھیرا ہے
جو پردہ مدتوں سے درمیاں تھا آج اٹھا ہے   محمدؐ عرش پر بیٹھے ہیں چپ خالق یہ کہتا ہے
تمہارا گھر ہے اپنے گھر میں شرمایا نہیں کرتے''[۲۶]

درجِ بالا بند میں پہلے تین مصرعے ہلال جعفری کے ہیں۔ان مصرعوں میں بیان کی صفائی بھی ہے اوراعتدال بھی لیکن قمرجلالوی کے جس شعر پر یہ تین مصرعے لگائے گئے ہیں وہ معراجیہ ادب میں انتہائی رکیک شعرہے۔حیرت ہے کہ قمرجلالوی نے جو غلطی کی تھی اس کو تضمین نگار نے خوبی جانا اوراس مبتذل شعر کی تضمین کردی!

قمرجلالوی کا یہ شعر غزل کا محاکاتی بیان لیے ہوئے ہے اور رومانوی انداز کی شاعری کا نمونہ پیش کررہا ہے۔اس شعر میں نہ تو معراجِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی غرض وغایت کا لحاظ کیا گیا ہے اور نہ ہی واقعاتی صداقت کا پہلو سامنے رکھا گیا ہے۔یہاں تو ہر عیب سے پاک خالق کو اپنے مقدس اور پاکیزہ بندے اور رسول ﷺ سے ملتے ہوئے ایسے دکھایا گیا ہے کہ اس کی تشریح کرنے میں دینی حمیت اور ایمانی غیرت مانع ہے۔پھر اپنے رب سے ایسی بات بھی منسوب کردی گئی ہے جو ہر قرینے سے ''کذب'' کے زمرے میں آتی ہے۔قمرجلالوی کے شعر کا دوسرا مصرعہ اس انداز سے لکھا گیا ہے کہ یہ قول، اللہ تعالیٰ کا قول بن کر سامنے آیا ہے......

...... ع''تمہارا گھر ہے۔۔۔الخ''۔

یہ تو ایک مثال ہے۔معراج کے حوالے سے نعتیہ شاعری میں بے شمار اشعار ایسے مل جائیں گے جن میں اللہ رب العزت کو حضورِ اکرم ﷺ کے دیدار کا تمنائی ظاہر کیا گیا ہے۔گویا[معاذ اللہ] اللہ تعالیٰ زمین پر چلتے ہوئے حضورِ اکرم ﷺ کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔اس ضمن میں بڑے بڑے جغادریوں نے ٹھوکر کھائی ہے۔علامہ قابل گلاؤٹھوی کا ایک شعر ہے جس کی تضمین ہلال جعفری نے کی:

''عرش پر نور کی قندیل سے چلتا ہے پتہ　　عبد و معبود کی تشکیل سے چلتا ہے پتہ
آمدِ حضرتِ جبریل سے چلتا ہے پتہ　　شبِ معراج کی تفصیل سے چلتا ہے پتہ
اپنے ہی حسن کے خود طالبِ دیدار ہیں آپؐ''۲۷

اس تضمین کے دوسرے مصرعے میں ''تشکیل'' کا لفظ ''عبد و معبود'' کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔تشکیل کے معنی ہیں شکل بنانا، صورت بنانا، خاکہ تیار کرنا، بنانا، مرتب کرنا، شکل دینا۔(اردو لغت، اردو ڈکشنری بورڈ)۔معراج کے حوالے سے اللہ اور رسول ﷺ کی ملاقات کو تشکیل کا نام دینا کسی طور مناسب نہیں ہے۔

خیر یہ تو لسانی مسئلہ ہے۔قابل گلاؤٹھوی نے ''اپنے ہی حسن کے خود طالبِ دیدار ہیں آپؐ'' کہہ کر معراج کے واقعے کو عجیب رنگ دیدیا۔اب ذرا غور فرمائیے:

☆ ''آپ'' کی ضمیر اگر حضورِ اکرم ﷺ کی طرف راجع ہے، تب تو یہ مطلب ہوگا کہ حضور ﷺ کا حسن ہی اللہ تعالیٰ کا حسن بھی ہے اور آپ ﷺ اپنے ہی حسن کی طلب میں معراج پر تشریف لے گئے تھے۔اس طرح سوچنے سے دو نکتے زیرِ غور آئیں گے:

☆ حضور ﷺ کا حسن اصل ہے اور [نعوذ باللہ من ذالک] اللہ تعالیٰ کا حسن فروع۔
☆ معراج پر جنابِ رسالت مآب ﷺ اپنی مرضی سے تشریف لے گئے تھے۔

اور یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ پہلی بات اس لیے کہ اللہ کا وجود ''واجب'' ہونے کے بجائے'' ممکن'' ہونے کا احتمال پیدا ہوتا ہے...... اور دوسری بات واقعاتِ معراج کے صریح خلاف ہے۔ پتا نہیں شاعر کو ''شب معراج کی تفصیل سے'' کیا پتا چلا تھا؟

قمر رعینی جیسے بالغ نظر شاعر نے جب معراج کی تلمیح کو متن شعر بنایا تو عجیب بات کہہ گیا:

''موسیٰ اللہ کے جلوؤں کے تمنائی تھے — اُنؐ کے دیدار کا اللہ تمنائی ہے'' ۲۸

اس شعر میں اللہ کو نعوذ باللہ دیدارِ محبوب، حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ سے محروم جان کر یہ خیال نظم کر دیا گیا ہے کہ ''اللہ بھی ان کے دیدار کا تمنائی ہے''۔ اس طرح اللہ کی دو صفات کی نفی ہوگئی۔ ''البصیر'' اور ''الصمد''۔ وہ ہر شے کو دیکھ رہا ہے۔ اور وہ کسی شے کا محتاج نہیں ہے۔ تمنا کرنا محتاجوں کا کام ہے، اللہ کا نہیں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کی شان کا استخفاف:

نعتیہ شاعری میں بعض شعرا صرف حضورِ اکرم ﷺ کی شان ظاہر کرنے کے لیے بلا سند ایسی باتیں کہہ دیتے ہیں جس سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی شان کا استخفاف ہوتا ہے۔ مثلاً

قربان ہوا جاتا ہے اس در پہ زمانہ — جس در کا تو دربان بھی جبریلِ امیں ہے ۲۹

یہاں شاعر روضہء رسول ﷺ کو درِ رسول ﷺ کہہ رہا ہے۔ جبریلِ امین نے تو حضورِ اکرم ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد زمین پر قدم نہیں رکھا۔ آخری مرتبہ جبریل امین ملک الموت کے ہمراہ تشریف لائے تھے اور سلام کے بعد یہ اطلاع دیدی تھی کہ ''آج زمین پر اترنے کا میرے لیے آخری دن تھا۔ ۳۰ .... پھر وہ روضہء رسول ﷺ کی دربانی کیسے کر رہے ہیں۔ دربانی کا منصب تو جبریلِ امین کے پاس اس وقت بھی نہیں تھا جب وہ حضورِ اکرم ﷺ کے پاس وحیٔ ربانی لاتے تھے۔ اس طرح کی باتیں شعرا بہت کرتے ہیں جن سے اجتناب کرنے کی ضرورت ہے۔

سلطانِ دو جہاں کی یہ عظمت تو دیکھیے — نعلین سر پہ جبریلؑ سا درباں لیے ہوئے ۳۱

اس شعر کا دوسرا مصرع بحر سے خارج ہے۔ لیکن اس مصرعے میں جبریلؑ کی دربانی کے اعلان کے ساتھ ہی ان کے سر پر حضورِ اکرم ﷺ کے نعلینِ مبارک رکھوا دیئے گئے ہیں۔ یہ صریحاً حضرت جبرائیل علیہ السلام کی شان کا استخفاف ہے۔ ابو الفضل قاضی عیّاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الشفاء بتعریفِ حقوق المصطفیٰ ﷺ'' میں ''انبیا اور فرشتوں کی تنقیص کرنے والے کا حکم'' کے عنوان سے ایک پورا باب باندھا

ہے۔من گھڑت باتیں کذب کے درجے میں آتی ہیں۔ایسی باتوں سے نعت گو شاعر کو بھی گریز لازم ہے اور نقاد کی ذمہ داری ہے کہ اس پر گرفت کرے۔محقق بھی ان باتوں کا خیال رکھے!

قرآن کریم کے واضح اعلان سے انحراف کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

''انا بشرٌ زمانہ تم کو سمجھے، ہم نہ سمجھیں گے　　بنائے کن فکاں تم، وجہ تخلیقِ جہاں تم ہو'' ۳۲

اس شعر کا متن، سورۂ حٰمٓ السجدہ کی درج ذیل آیت سے اخذ کیا گیا ہے۔

''قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ...'' (اے نبیؐ ان سے کہیے کہ بس میں تو ایک بشر ہوں تم جیسا بتایا جاتا ہے بذریعہ وحی مجھے کہ بس تمہارا معبود ایسا معبود ہے جو ایک ہی ہے)۔۳۳

محولہ بالا شعر میں حضورِ اکرم ﷺ کی بشریت سے انکار کے لیے شاعر نے قرآن کے الفاظ ، دہرانے کے بعد اپنا موقف بیان کیا ہے۔اللہ مرحوم شاعر کی غلطی معاف فرمائے (آمین)!

☆ حدیثِ قدسی سے انحراف کی مثال:

حدیثِ قدسی وہ حدیث کہلاتی ہے جو قرآنِ کریم کا حصہ نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کی تلاوت قرآنِ پاک کی طرح کی جاتی ہے۔لیکن اس حدیث کا ''متن'' اللہ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔یعنی:

''حدیثِ قدسی وہ کلام ہے جس کے الفاظ تو رسولِ اکرم ﷺ کے ہوں اور اس کے معانی الہام یا خواب کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی جانب سے بتلائے ہوئے ہوں''۔۳۴

اس وضاحت کے بعد یہاں ایک حدیثِ قدسی نقل کی جاتی ہے:

''كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرِفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ''

(میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو خلق کو پیدا کیا میں نے)''۔۳۵

یہاں اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کے لیے ''چھپا ہوا خزانہ'' کے الفاظ آئے ہیں۔اس حدیث کا علم ہمارے شعرا کو بھی ہے۔لیکن بعض شعرا، حضورِ اکرم ﷺ کی ذات کو درجہء الوہیت پر فائز دیکھنے اور دکھانے کی آرزو رکھتے ہیں۔اسی لیے وہ ڈھکے چھپے الفاظ میں ایسی بات کہہ جاتے ہیں جس سے ان کی تمنا بھی پوری ہو جائے اور نبی علیہ السلام کو، براہِ راست ''الہٰ'' کہنے کی تہمت سے بھی بچ سکیں۔ایسی ہی ایک کوشش ملاحظہ ہو:

''آپؐ سے ظاہر ہوا ہے حسنِ ربِ ذوالجلال　　کنت کنزاً کا خزانہ آپؐ ہیں بس آپؐ ہیں'' ۳۶

اس شعر میں شاعر نے ''کنت کنزاً کا خزانہ'' کہہ کر ''اللہ رب العزت'' کے بجائے نبی کریم ﷺ کی ذاتِ والا صفات کو مخاطب کیا ہے۔نعتیہ شاعری میں اس طرح کے مضامین باندھنا کوئی مستحسن عمل نہیں ہوسکتا۔اس سے اجتناب ضروری ہے۔

حدیثوں کی صحیح روایت کے بجائے خیالی مضمون باندھنے کی مثال:

بخاری، مسلم، بیہقی، ترمذی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم نے کچھ روایات نقل کی ہیں جن کی رو سے آپ ﷺ کے ''دونوں شانوں کے درمیان بلند گوشت تھا''، یہ مہرِ نبوت تھی۔ ۳۷

ان روایتوں کے برعکس شاعر نے مہرِ نبوت کا مضمون اس طرح باندھا ہے:

سرکارؐ کی جبیں پہ رسالت کی مہر تھی　　　سینے پہ ثبت ختم نبوت کی مہر تھی ۳۸

ظاہر ہے یہ تخیلاتی شعر ہے اور حقیقت سے بہت دور جا پڑا ہے۔

خیال کو واقعہ بنا کر پیش کرنے کی مثال:

ایسے اشعار پیش کرنے سے پیشتر ڈاکٹر عندلیب شادانی کا عام شاعری پر تبصرہ ملاحظہ ہو۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''معاد کا عقیدہ تو اکثر مذاہب میں پایا جاتا ہے لیکن قیامت کب آئے گی اس کی تعیین کسی نے نہیں کی...... ہمارے شعرا خصوصاً چوٹی کے غزل گو جس درجہ حساس واقع ہوئے ہیں، وہ ظاہر ہے۔ بھلا ان سے اس غیر معین حالت کی برداشت کہاں ممکن تھی اور وہ کب تک انتظار کر سکتے تھے۔ اس لیے انھوں نے اپنی خیالی دنیا بنائی اور اس دنیا میں پہنچنے کے لیے فرضی طور پر یا تو جلاد محبوب کی چھری سے ہلاک ہوئے یا پھر اس کے جور و ستم کے باعث ایڑیاں رگڑ رگڑ کے جان دیدی۔ پھر قیامت قائم کی۔ حشر و نشر کے سامان ہوئے۔ خدائی دربار سجایا اور داورِ محشر کے سامنے فریاد لے کر پہنچے۔ چوں کہ یہ حضرات شاعر ہونے کی حیثیت سے گویا ایک ہی ''امت'' کے افراد ہیں۔ اسی لیے حشر میں سب کو تقریباً ایک ہی قسم کے واقعات پیش آتے ہیں''۔ ۳۹

ڈاکٹر عندلیب شادانی نے غزل کے ایسے اشعار پر طنز کیا ہے، جو حشر میں عاشق کی فریاد پیش ہونے پر محبوب کے خجل ہونے کے تخیلاتی مضامین کے حامل تھے۔ ایسے مضامین باندھنا روایتی غزل گوؤں کا بھی شعار رہا ہے اور جدید دور میں بھی کہیں کہیں یہ مضامین نظر آ جاتے ہیں۔ اس کے باوجود غزل میں تخیلاتی شاعری کرنا، واقعاتی حوالے سے کتنا ہی بعید کیوں نہ ہو، بہت زیادہ معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن نعت ایک مقدس صنفِ سخن ہے۔ یہاں بیان کی صداقت لازمی ہے۔ چاہے وہ لمحاتی صداقت ہی کیوں نہ ہو۔ شعر گوئی کے وقت جو کیفیت شاعر پر غلبۂ عشقِ رسول ﷺ کی طاری ہو جائے وہ بھی لمحاتی صداقت کے ذیل میں آتی ہے۔ چنانچہ اس خاص کیفیت کے اظہار کو بھی صداقت ہی کے طور پر قبول کیا جانا چاہیے۔ تاہم اس لمحاتی کیفیت کو اسی دنیاوی زندگی کا عکاس ہونا چاہیے۔ حشر و نشر کے تخیلاتی بیان کو واقعاتی سطح پر بیان کرنے سے گریز لازم ہے۔ ورنہ شاعر خواہ مخواہ دروغ گو قرار پائے گا۔ ایسی باتوں پر عاقبت میں گرفت بھی ہو سکتی ہے۔ درجِ ذیل اشعار پر ذرا غور فرمائیے:

"دفن کر کے جب مرے احباب آقا ﷺ چل دیئے — آ کے جلووں سے لحد کو جگمگایا شکریہ
پیاس ابھی بڑھنے بھی پائی تھی نہ میری حشر میں — جامِ کوثر تم نے خود آ کر پلایا شکریہ
عیب محشر میں کھلا ہی چاہتے تھے میں نثار — ڈھک کے پردہ اپنے دامن میں چھپایا شکریہ
سوئے دوزخ جب ملائک مجھ کو لے کر چل دیئے — میں ترے صدقے مجھے آ کر چھڑایا شکریہ
شکریہ کیوں کر ادا ہو آپ کا یا مصطفیٰ ﷺ — کہ پڑوسی خلد میں اپنا بنایا شکریہ" [40]

درجِ بالا اشعار شعری جمالیات سے تو دور ہیں ہی، خالصتاً تصوراتی واقعات پر بھی مبنی ہیں۔ شاعر کا اس دنیا سے رخصت ہو کر لحد میں چلا جانا اور وہاں حضور ﷺ کا جلوہ افروز ہونا۔ شاعر کا یومِ حشر حضورِ اکرم ﷺ کے دستِ مبارک سے کوثر کا پیالہ پینا۔ شاعر کے عیبوں کی حضور ﷺ کے ہاتھوں ستر پوشی ہونا۔ شاعر کے بارے میں دوزخ کا فیصلہ ہو جانا اور حضورِ اکرم ﷺ کا شاعر کو فرشتوں کے چنگل سے چھڑانا۔ حضورِ اکرم ﷺ کا شاعر کو اس سخت گھڑی میں سہارا دینا اور جنت میں لے جا کر اپنے پڑوس میں جگہ عطا کرنا...... کیا یہ سب کچھ وقوع پذیر ہو چکا ہے؟...... جواب نفی میں ہی ہوگا!...... پھر ان احوال کو اس طرح بیان کیوں کیا گیا کہ ایسا معلوم ہو جیسے یہ تمام واقعات شاعر کے ساتھ پیش آ چکے ہیں؟...... اس کی وجہ شاعر کی نفسی کیفیت ہے اور کچھ نہیں۔ ہو سکتا ہے شاعر نے کوئی خواب دیکھا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے اور یہ زیادہ قرینِ قیاس ہے کہ شاعر نے اپنے احوال کا تصوراتی آنکھ سے مشاہدہ کیا ہو!...... بہرکیف، کچھ بھی ہو، بیان میں صداقت کا عنصر قطعی نہیں ہے۔ شاعر ابھی اسی دنیائے آب وگل میں ہے تب ہی تو شاعری کر رہا ہے...... اور اس دنیا میں یہ تمام احوال پیش آنا ممکن نہیں...... ان تمام اشعار میں نہ تو کوئی قرینہ 'خواب کا ہے اور نہ ہی شاعر کی تمنا کا اظہار ہوا ہے۔ اگر شاعر اپنی تمنا کا اظہار کرتا تو صیغۂ مستقبل میں بات کرتا اور درخواست کرتا ہوا نظر آتا کہ آقا ﷺ! مجھے آپ کی ذاتِ والا صفات سے ایسی ایسی عنایات کی توقع ہے! اے کاش ایسا ہو جائے!...... اس کے برعکس تمام اشعار میں شاعر حضور ﷺ سے براہِ راست مخاطب ہے اور عنایاتِ خسروانہ پر آپ ﷺ کا "شکریہ" ادا کر رہا ہے۔ شکریہ نعمتیں حاصل ہو جانے کے بعد ادا کیا جاتا ہے...... اور یہاں یہ تمام نعمتیں ابھی شاعر کو حاصل ہی نہیں ہوئی ہیں...... ایسی صورت میں شاعر نے غیر ارادی طور پر حضورِ اکرم ﷺ کا شکریہ ادا کر کے اپنے لہجے کو [نعوذ باللہ] طنزیہ بنا لیا۔ کیوں عام طور پر اپنی توقعات پوری نہ ہونے پر طنزاً کسی کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ نیتوں کا حال تو اللہ جانتا ہے۔ ہم تو صرف ظاہر پر حکم لگا سکتے ہیں۔ حدیث شریف ہے **"نحن نحکم بالظاھر و اللہ یتولی السرائر"** (ہم ظاہر پر حکم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سرائر کا ذمے دار ہے، یعنی باطن سے اللہ واقف ہے)۔

اس موقع پر ایک بات اور صاف کرتا چلوں۔ بعض لوگ صوفیانہ شطحیات کے اظہار میں بے باک

ہوتے ہیں۔ شطحیات کیا ہیں؟ یہ جاننے کے لیے ہم نے سرِ دلبراں دیکھی تو وہاں لکھا ہے:

''شطحیات: جمع ہے شطح کی۔ یہ وہ کلمات ہیں جو صوفیائے کرام کی زبان سے مستی و شوق و غلبہء حال میں بے اختیار صادر ہو جاتے ہیں۔ جو بظاہر شریعت کے خلاف معلوم ہوتے ہیں مگر باطناً کسی سِرّ کی جانب ان میں اشارہ ہوتا ہے۔ گو ہر شخص ان اشارات کو صحیح طور پر سمجھ نہ سکے۔ اس قسم کے کلمات کے متعلق مشائخین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی روش یہ ہے کہ انھیں نہ رد کرتے ہیں نہ قبول، تاوقتیکہ سمجھ نہ لیں''۔[۴۱]

شاہ سید محمد ذوقیؒ کی درجِ بالا عبارت کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہم شاعر کے اشعار کو نہ تو قبول کرتے اور نہ ہی رد کرنے کی جسارت کرتے...... لیکن یہ معاملہ کائنات کی سب سے سچی اور بعد از خدا بزرگ ہستی جنابِ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے حوالے سے نہ صرف بیان ہوا تھا بلکہ مشتہر بھی ہوا (کسی کتاب کی طباعت کا مرحلہ بقائمِ ہوش و حواس ہی پیش آتا ہے) اس لیے ہم پر لازم ہو گیا کہ اس کی طرف کچھ تنقیدی اشارے کر دیں تا کہ کتاب پڑھنے والوں اور عوامی سطح پر ان اشعار کو دہرانے والوں پر حقیقتِ حال کھل جائے۔ شعرا بھی اپنی شاعری میں ایسی باتوں کے اظہار سے گریز کریں، نقادانِ فن بھی ایسے معاملات میں چوکنے رہیں اور محققین بھی بیدار مغزی کا ثبوت دیں۔

ایک شاعر نے حضورِ اکرم ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے غم کی کیفیت کا خیالی بیان شعروں میں ڈھالا ہے اور ان کو دلاسہ دینے کے لیے حضور ﷺ کی صداؤں کا بار بار آنا ذکر کیا ہے۔ ان صداؤں کا سنا جانا ممکن تو تھا لیکن یہ کسی مستند حدیث میں مذکور نہیں۔ ثانیاً ان صداؤں میں جو تمنائیں اظہار پذیر ہوئی ہیں وہ مزاجِ نبوت سے متصادم ہیں۔ عجیب بات کہ شاعر نے تخیلات کی دنیا سجاتے ہوئے اپنی عاقبت کا بھی خیال نہیں رکھا۔ وہ لکھتا ہے:

''کھا کر پچھاڑیں روتی تھیں زہرا جو زار زار — آتی تھیں مصطفیٰؐ کی صدائیں یہ بار بار

بیٹی! مرے کلیجے کے ٹکڑے، ترے نثار — نورِ نگاہ میرے نواسوں سے ہوشیار

مہلت ملے تو دونوں کی شادی رچائیو — دولھا دلھن کو میری لحد پر بھی لائیو ''[۴۲]

افسوس! حضورِ اکرم ﷺ کی امت کے شاعر، مزاجِ رسالت سے آگاہ نہیں ہو سکے! انہیں نہیں معلوم کہ حضور ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے ناممکن الوقوع باتوں کا صدور نہیں ہوتا۔ نبی ﷺ کا یہ مقام بھی قطعی نہیں ہے کہ وہ بہت چھوٹی چھوٹی خواہشات کا اظہار فرمائیں اور وہ بھی کب، جب اس دنیا سے پردہ فرما جائیں! بھلا ننھے معصوم بچوں کی شادی کا خیال قرینِ قیاس ہو سکتا ہے؟ لاریب ہٰذا بہتان العظیم!

اصل حقیقت کیا تھی؟ .... حضورِ اکرم ﷺ نے پردہ فرمانے سے چند یوم قبل حضرت بی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو یہ خبر دے دی تھی کہ آپ ﷺ کی رحلت کے بعد سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی آپ ﷺ سے ملیں گی! الخصائص الکبریٰ میں امام جلال الدین سیوطی نے حدیث بیان کی ہے:

''طبرانی و بیہقی رحمہم اللہ نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے مرض میں بلایا اور ان سے راز کی کچھ دیر باتیں فرمائیں اور وہ رونے لگیں اس کے بعد ان سے کچھ دیر اور راز میں باتیں فرمائیں اور وہ ہنسنے لگیں پھر میں نے ان سے پوچھا تو انھوں نے کہا مجھے پہلی مرتبہ تو یہ خبر دی کہ جبریل علیہ السلام ہر سال ہر رمضان میں ایک مرتبہ قرآن کا دور کراتے تھے اور اس سال انہوں نے دو مرتبہ قرآن کا دور کرایا ہے اور مجھے خبر دی کہ کوئی نبی نہیں ہوا مگر اس کے بعد نبی آیا اور اس نے نصف عمر اس کے ساتھ گزاری اور نصف عمر اس کے بعد گزاری اور فرمایا: اے بیٹی! مسلمان عورتوں میں سے کوئی عورت مصیبت میں تم سے اعظم نہیں ہے تو تم صبر میں ادنیٰ عورت نہ ہونا............ اور دوسری مرتبہ جو مجھ سے راز میں گفتگو کی تو اس میں مجھے خبر دی کہ میں آپ کی اہل بیت میں سے سب سے پہلے آپ سے ملوں گی اور فرمایا تم جنت کی عورتوں کی سردار ہو بجز اس کے جو مریم بنتِ عمران رضی اللہ عنہا سے تعلق رکھتی ہو، اس بنا پر میں ہنس پڑی''۔[۴۳]

اس مستند روایت کی موجودگی میں نہ تو یہ ممکن ہے کہ حضرتِ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے ایسے بین کیا ہو جیسے شاعر نے لکھا ہے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنی پیاری بیٹی کو اس کے بچوں کی شادی کرنے اور ان کی دلہنوں کو اپنی لحدِ مبارک پر لانے کی تلقین فرمائی ہو!

بچوں کی شادی کا شوشہ تو خود شاعر نے اپنی ذہنی اختراع سے چھوڑا ہے۔ ورنہ حضور ﷺ نے تو پہلے ہی بتادیا تھا کہ اولاد کے سنِ بلوغ کو پہنچنے سے قبل ہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دنیا چھوڑ دیں گی اور یقیناً ایسا ہی ہوا۔ حضرت فاطمہ کا وصال ۱۱ ھجری میں ہوگیا۔ پھر ایسی خواہشات [بچوں کی شادی] کا اظہار زبانِ نبوت سے کروانا کس قدر قبیح اور لائق گرفت فعل ہے اس کا اندازہ راسخون فی العلم ہی کو ہوسکتا ہے۔

☆مسئلۂ امتناعِ نظیر:

امام جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب میں ایک عنوان قائم کیا ہے ''مَلَأِ اعلیٰ پر حضور ﷺ کا اسم مبارک''۔ اس عنوان کے تحت ایک طویل حدیث نقل کی ہے۔ ہم وہ حدیث من وعن یہاں پیش کرتے ہیں:

''حاکم، بیہقی اور طبرانی رحمہم اللہ نے ''صغیر'' میں اور ابو نعیم اور ابنِ عساکر رحمہم اللہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے جب خطا سرزد ہوگئی تو انھوں نے التجا کی ''اے رب! بہ حق محمد ﷺ مجھے بخش دے''۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد

فرمایا: ''تم نے محمد ﷺ کو کس طرح جانا؟'' عرض کیا: ''جب تو نے میرے پتلے کو اپنے دستِ قدرت سے بنایا اور جان آفرینی کی، میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ عرشِ اعلیٰ کے ستونوں پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔ تو میں نے جان لیا کہ جس ذاتِ اقدس کا نام نامی تیرے اسمِ گرامی کے ساتھ مکتوب ہے یقیناً وہ تیری بارگاہ میں دیگر ساری مخلوق سے اعلیٰ و محترم ہوگا''۔ ربِّ عظیم نے فرمایا: ''اے آدم! تم نے ٹھیک سمجھا۔ اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں نہ تم کو پیدا کرتا نہ کائنات کو''۔ حدیثِ قدسی ہے۔ اللہ عزّ وجل فرماتا ہے ''لولاک لما خلقت الافلاک''۔ اس حدیثِ قدسی کے یہی معنی ہیں یعنی یہ تمام کائنات اور عالم اجساد صدقہ ہے وجودِ باجود جنابِ محمد رسول اللہ ﷺ کا''۔[۴۴]

گو بعض علماء نے اس ''لولاک'' والی حدیثِ قدسی پر کلام بھی کیا ہے تاہم نفسِ مضمون پر بیش تر کا اتفاق ہے...... راقم الحروف نے پندرہ سو سال کے شعری سرمائے سے کچھ اشعار منتخب کر کے اپنے ایک مضمون میں یک جا کر دیئے ہیں جن میں بالکل درست طریقے سے صحیح روایتوں کا لحاظ کر کے شعرا نے حصر کے ساتھ حضورِ اکرم ﷺ ہی کی ذاتِ پاک کو ''مقصودِ کائنات'' کہا ہے۔ (''ہنر نازک ہے'' کے صفحات ۹۶ تا ۱۱۸ ملاحظہ ہوں)۔

شعرا، ادبا، مغازی نویسوں، سیرت نگاروں اور تاریخ دانوں کے اجماعی مسئلے کو اردو کے ایک شاعر، بیدؔم وارثی نے صوفیانہ شطح کے تحت ایک شعر لکھ کر متنازعہ بنانے کی ناکام کوشش کی۔ قوالوں نے اس شعر کی تشہیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ میں نے وہ شعر بیدؔم وارثی کے دیوان میں نہیں پایا۔ ہوسکتا ہے کسی اور شاعر کا ہو اور بیدم وارثی سے منسوب کر دیا گیا ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شعر کہہ کر شاعر نے اسے قابلِ اشاعت نہیں جانا ہو۔ بہر حال وہ شعر منسوب بیدؔم وارثی ہی سے ہے۔ رشید وارثی نے وہ شعر اپنے مضامین میں نقل کیا ہے۔ شعر ہے:

بیدم یہی تو پانچ ہیں مقصودِ کائنات　　خیر النساءؓ، حسینؓ و حسنؓ، مصطفیٰؐ علیؓ[۴۵]

اس شعر میں حدیثِ قدسی کے برعکس حضورِ اکرم ﷺ کی ذات کے علاوہ چار اور مقدس ہستیوں کو ''مقصودِ کائنات'' قرار دیا گیا ہے۔ گویا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانچ مقدس ہستیوں میں سے ایک تھے اور شعر میں مذکور مقدس ہستیوں میں بھی چوتھے نمبر پر!...... میرے نزدیک یہ صریح ''شرک فی النبوت'' ہے۔

عقیدت بھی عجیب ہوتی ہے جب انسان پر اس کا غلبہ ہو جائے تو یہ نبی کو خدا کے درجے تک پہنچانے کی سعی کرتی ہے اور جب کسی بزرگ سے عقیدت ہو جائے تو ان بزرگ کو نبی کا درجہ دینے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتی۔ اہلِ تصوف اور شعرا میں بعض ایسے لوگ موجود ہیں جو نبی علیہ السلام کو خدا کے مرتبے سے چھوٹا درجہ دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ''احمدؐ'' کا ''میم'' حذف کر دیں اور ''احد'' پکاریں۔ اسی طرح اپنے اپنے بزرگوں کو نبی اور خضر سے بھی بلند مقام پر دیکھنے اور دکھانے کے آرزومند

حضرات کی بھی کمی نہیں ہے.........دور کیوں جائیں، علامہ اقبال بھی جب حضرت محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی منقبت کہتے ہیں تو فرماتے ہیں:

تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی　　　　مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا ۴۶

لیکن اس کے باوجود اقبال کی دینی بصیرت نے حضورِ اکرم ﷺ کے مرتبے کا استخفاف کبھی گوارا نہیں کیا۔ بلکہ شرک فی النبوت کی جڑ کاٹنے کے لیے انہوں نے برملا یہ کہہ دیا:

اے کہ بعد از تو نبوت شد بہر مفہوم شرک　　　　بزم را روشن ز نورِ شمعِ ایماں کردہ ای

(اے [نبی ءمکرم ﷺ] آپ کی ذات وہ ذات ہے جس کے آنے کے بعد نبوت کا دروازہ اس طور بند ہوا کہ اب ہر مفہوم میں نبوت شرک ٹھہری۔ آپ ﷺ نے محفلِ کائنات کو شمعِ ایمان کے نور سے روشن فرمادیا)......۴۷

راقم الحروف کو اس شعر پر گفتگو کرتے ہوئے ۱۸۲۰ء میں مولوی اسماعیل دہلوی کی کہی ہوئی ایک بات یاد آرہی ہے ڈاکٹر الف۔ د نسیم نے علامہ اقبال کی کتاب ''جاوید نامہ'' کی شرح میں لکھا ہے:

''برصغیر میں انگریزی دور کی چھتری کے تحت بعض ہندوستانی مسلمانوں نے جو طرح طرح کے اختلافی مسائل کھڑے کر دیئے تھے ان میں سے ایک یہ مسئلہ رحمۃ للعالمین بھی تھا اور ایک عالم جن کا نام محمد اسمٰعیل تھا اس مسئلے پر خاص طور پر بحثیں کر رہے تھے وہ چاہتے تھے جس طرح اللہ نئے جہان پیدا کر سکتا ہے نئے رحمتِ عالم بھی پیدا کر سکتا ہے۔ یہ اس کے لیے مشکل نہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرح کا اور پیغمبر پیدا کرنا اس کی قدرت میں ہے اس طرح ہر جہان کے لیے ایک الگ رحمتِ عالم ہو سکتا ہے۔ جبکہ قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہی جملہ عالموں کی رحمت قرار دیتا ہے۔ اس لیے کسی اور جہان میں کسی نئے رحمتِ عالم کے وجود کا ہونا ممکن نہیں۔ جہان چاہے لاکھوں ہوں رحمتِ عالم سب کے لیے صرف ایک ہی ہے جس کو خود خالقِ کائنات نے رحمۃ للعالمین یعنی جملہ جہانوں کے لیے رحمت قرار دیا ہے اور وہ ہیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم''۔۴۸

غالب نے بھی مولانا فصلِ حق خیرآبادی کے اصرار پر ایک مثنوی ''امتناعِ نظیر'' لکھی تھی۔ حالی نے یادگارِ غالب میں یہ پورا واقعہ بھی درج کیا ہے۔ وہیں غالب کا یہ شعر بھی درج ہے:

''منشاءِ ایجادِ　ہر عالم یکیست　　　　گردو صد عالم بود خاتم یکیست'' ۴۹

(ہر عالم کی پیدائش کا منشا صرف ایک ہے۔ اگر دو صد [سینکڑوں] عوالم بھی ہوں تب بھی ''خاتم'' ایک ہی ہوگا۔)

راقم الحروف نے بیدم وارثی کے مذکورہ شعر کو مسئلۂ امکانِ نظیر سے جوڑا تو روح کانپ گئی۔ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا اس لیے ''خاتم النبیین'' کا منصب حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات کی یکتائی کا مظہر ہے۔ محولہ حدیثِ قدسی بھی حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات ہی کو مقصودِ کائنات ٹھہراتی ہے۔ ان شواہد اور اجماعِ امت کے تناظر میں بیدم وارثی کا شعر عقیدے کے طور پر قبول کر لینا حضورِ اکرم ﷺ کی یکتائی کے تصور کو مجروح کرنے کے مترادف ہوگا۔ اس لیے اس طرح کے خیالات سے شعرا، نقاد اور محققین کو اجتناب کرنا چاہیے۔

حضورِ اکرم ﷺ کے اصحاب یا ان کے قرابت داروں کی محبت لاکھ ابھارے، عقیدہ درست رہنا ضروری ہے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مقام کو بڑھا کر اللہ کے مرتبے پر پہنچانا بھی گمراہی ہے اور حضورِ اکرم ﷺ کے مرتبے کے برابر کسی اور کا مرتبہ ماننا بھی گمراہی ہے۔ نبی کریم کی شانِ یکتائی پر جس بات سے بھی حرف آتا ہو، وہ مرتبۂ رسالت کے استخفاف کا باعث ہوگی۔ اس لیے ہر نعت گو شاعر کا فرض ہے کہ ایسے خیالات منظوم کرنے سے اجتناب کرے اور ہر نقاد کا فرض ہے کہ ایسے خیالات جس بیت یا نظم میں نظر آئیں ان پر قرینے سے تنقید کرے۔ یہی فریضہ محقق کا بھی ہے۔

☆الفاظ کے استعمال میں احتیاط کے تقاضے:

الفاظ کے استعمال میں عام بول چال میں بھی بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ شاعری تو کام ہی الفاظ کے استعمال کا ہے۔ اس لیے اس فن کی آب یاری کے لیے شاعر میں الفاظ کو پرکھنے کی صلاحیت ہونا چاہیے۔ الفاظ تو الفاظ ان کی شعر میں بُنت بھی درست ہونا ضروری ہے ورنہ بات کچھ کی کچھ ہونے کا خدشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ مولوی نجم الغنی رامپوری نے بحر الفصاحت میں لکھا ہے:

> ''ایک شاعر نے جہانگیر کی مدح میں ایک قصیدہ کہا تھا اور اس نے پڑھنا شروع کیا۔ جیسے ہی کہ پیش مصرعِ مطلع کا پڑھا: ع اے تاج دولت برسرت از ابتدا تا انتہا
>
> فرمایا کہ تو عروض جانتا ہے؟ اور شعر کے وزن و تقطیع سے باخبر ہے؟ عرض کیا کہ مجھے یہ چیزیں معلوم نہیں۔ فرمایا کہ اگر عروض دان ہوتا تو تیری گردن مروا دیتا۔ شاعر بیچارہ گھبرا گیا کہ کیا خطا واقع ہوئی۔ مہربانی سے آگے طلب کر کے فرمایا کہ جب اس مصرع کی تقطیع کریں تو اس طرح وزن ہوگا:
>
> اے تاج دو ''مستفعلن'' لت برسرت ''مستفعلن'' از ابتدا ''مستفعلن'' تا انتہا ''مستفعلن''۔
>
> ''لت برسرت'' بدیمن اور بدفال ہے۔ شاعر کو ایسی چیزوں سے خبردار رہنا چاہیے''۔ ۵۰

جہانگیر بادشاہ کے لیے جو قصیدہ پڑھا گیا تھا اس میں لفظ غلط نہیں تھا صرف یہ عیب تھا کہ تقطیع میں ''لت برسرت'' آتا تھا جس کا مطلب ہے ''تیرے سر پر لات''۔ اس مثال سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ

شاعری میں نہ صرف لفظوں کا درست استعمال بڑا ضروری ہے بلکہ لفظوں کی ایسی تشکیل سے بھی بچنا ضروری ہے جن کی تقطیع کی جائے تو بات کچھ کی کچھ بن جائے۔

مجھے لفظوں کے غلط استعمال کی بہت سی مثالیں ملی ہیں لیکن طوالت سے بچنے کے لیے صرف چند ایک پیش کر دیتا ہوں۔

☆ اللہ کے ذاتی نام کے غلط تلفظ کی مثال:

قمر رعینی لکھتے ہیں:

''[میں نے] لفظ اللہ کو فعلن کے وزن پر ا لّٰ نہیں لکھا بلکہ اس میں اللہ کی ہائے ہوز کو واضح طور پر مفعول کے وزن پر باندھا ہے یعنی ع اللہ کو ا لّٰ نہیں اللہ کہا ۵۱

مجھے بھی اس بات پر اصرار کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام کو مخفف نہیں کرنا چاہیے، چاہے شعری ضرورت کچھ ہی کیوں نہ ہو، اس فعلِ قبیح سے بچنا لازمی ہے۔ اللہ کا لفظ پانچ حرفی ہے (بروزن مفعول) اور اس کا ہر لفظ پورا پڑھا جاتا ہے۔ اس لیے اسے کسی طور چار حرفی (بروزن فعلن) بنا کر نہیں لکھنا چاہیے۔

☆ ''کبریا'' کا بے محل استعمال:

کبریا کا لفظ ہمارے ہاں بڑے بڑوں نے ''اللہ'' کے صفاتی نام کے طور پر استعمال کیا ہے۔ شعرا نے کبھی اس طرف دھیان نہیں دیا کہ ''کبریا'' کو پہلے پہل جس نے بھی اللہ کے صفاتی نام کے طور پر استعمال کیا ہوگا اس نے عربی قاعدے سے ناواقفیت کی بنا پر یا اپنے غلط اجتہاد کی بنا پر ایسا کیا ہوگا۔ حالانکہ یہ صرف صفت ہے اسمِ صفت نہیں ہے۔ قرآنِ کریم میں یہ لفظ صرف دو بار آیا ہے۔ سورۂ یونس اور الجاثیہ میں:

ا۔ وَتَكُونَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْأَرْضِ ط ......

اور حاصل ہو جائے تم دونوں کو سرداری اس ملک میں۔ ۵۲......

۲۔ وَ لَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ ص ......

اور اسی کو سزاوار ہے بڑائی آسمانوں اور زمین میں۔ ۵۳

قرآن کریم کی درج بالا آیات سے صاف ظاہر ہے کہ کبریا بڑائی کو کہتے ہیں ''بڑے'' کو نہیں۔ اللہ کے لیے ''اکبر'' بھی اسمِ ذات (اللہ) کے ساتھ بولا اور لکھا جاتا ہے۔

افسوس اس بات کا ہے کہ یہ غلطی اتنی عام ہوئی کہ اردو لغت بورڈ، کراچی، میں بھی ''کبریا'' کے معنی خدا تعالیٰ کے صفاتی نام کے ہی دیئے ہیں۔ حالانکہ اسی لغت میں اس لفظ کے معنی بزرگی، عظمت، شان و شوکت، جاہ و جلال، قدرت اور فضیلت بھی رقم ہیں اور میر کا یہ شعر بھی درج ہے جو اس لفظ کے بالکل درست

استعمال کی طرف اشارہ کر رہا ہے:

''میر ناچیز مشتِ خاک اللہ ان نے یہ کبریا کہاں پائی'' ۵۴

ان حقائق کی روشنی میں ''کبریا'' کو اللہ کے صفاتی نام کے طور پر برتنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

☆ میٹھے نبی ﷺ:

ایک صاحب نے بلا سوچے سمجھے حضورِ اکرم کے لیے میٹھے نبی ﷺ کی ترکیب استعمال کی۔ میٹھا، اشیاء کی شیرینی کے لیے تو استعمال ہوتا ہے۔ افراد کے لیے اس کے استعمال میں خوبی کے بجائے ذم کا پہلو ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآنِ کریم میں لفظ ''راعنا'' کے استعمال کی ممانعت کے ذریعے واضح فرمان جاری کر دیا ہے کہ نبیِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لیے کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کیا جائے جو ''ذومعنی'' ہو اور جس میں اچھائی اور برائی کے دونوں معنی پائے جاتے ہوں۔ اس لیے میٹھے نبی ﷺ کہنا بھی حضورِ اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کے مترادف ہے۔ پہلے مطلع ملاحظہ فرمائیں:

''عرشِ علیٰ سے اعلیٰ میٹھے نبی ﷺ کا روضہ ہے ہر مکاں سے بالا میٹھے نبی ﷺ کا روضہ'' ۵۵

جس نعتیہ غزل کا مطلع اوپر درج کیا گیا ہے اس کے بارہ اشعار ہیں۔ اس طرح ''میٹھے نبی ﷺ'' کی ترکیب تیرہ مرتبہ دہرائی گئی ہے۔ اب لفظ ''میٹھے'' کے وہ استعمالات ملاحظہ فرمایئے جو افراد کے لیے ہوں تو کیا معانی دیتے ہیں:

میٹھا: ۱۔ (کنایۃً) وہ شخص جس کی باتیں اور حرکتیں عورتوں کی سی ہوں، زنان منتری، زنانہ، زنخا، ہیجڑا (فرہنگِ آصفیہ)......۲۔ میٹھا ٹھگ: میٹھی میٹھی باتیں بنا کر ٹھگنے والا یار، دغا باز، بددیانت، جھوٹا دوست، بے ایمان دوست؛ ٹھگوں کے اس فرقے کا آدمی جو میٹھا تیلیا (ایک زہر) کھلا کر مسافروں کو ہلاک کرتا اور لوٹ لیتا ہے، میٹھے والا (پلیٹس؛ فرہنگِ آصفیہ؛ مخزن المحاورات)۔ ۳۔ میٹھی چھری: ۱۔ (مجازاً) دشمن نما دوست، وہ شخص جو دوستی کے پیرائے میں دشمنی کرے، وہ شخص جو بظاہر دوست اور بباطن دشمن ہو، ظاہر میں خوش نما اور اصل میں مضرت رساں۔ ۵۶

اس میں کچھ شک نہیں کہ ''میٹھا'' اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو حلیم الطبع، بردبار، دھیمے مزاج کا آدمی ہو اور جسے غصہ نہ آئے ...... لیکن یہ بات طے ہے کہ جس لفظ میں برائی کا کوئی پہلو پوشیدہ ہو وہ خیر البشر جنابِ رسول اللہ، علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے استعمال کرنا بے ادبی اور روحِ قرآن کے منافی ہے۔ چنانچہ اس لفظ کے استعمال سے ازحد گریز کی ضرورت ہے۔

☆ مدینہ منورہ کے لیے یثرب کا استعمال:

حضورِ اکرم ﷺ کے ورودِ مسعود سے قبل جو شہر ''یثرب'' کہلاتا تھا وہ آپ ﷺ کی آمد کے بعد

''مدینۃ النبی ﷺ'' ہوگیا۔اس لیے نعت گوشعرا کے لیے یثرب کا لفظ استعمال کرنا مناسب نہیں۔ پھر اس لفظ کے معانی بھی اچھے نہیں ہیں۔ بعض احادیث میں بھی مدینہ منورہ کو ''یثرب'' کہنے کی ممانعت آئی ہے۔اس موضوع پر رشید وارثی کی کتاب میں ایک تفصیلی مضمون بعنوان ''مدینہ منورہ کو یثرب کہنے کی ممانعت'' ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔۵۷

قرآن کریم میں سورۂ احزاب[۳۳] کی آیت نمبر۱۳ میں لفظ یثرب، منافقین کے قول کے طور پر آیا ہے:

وَاِذْقَالَتْ طَّآ ئِفَةٌ مِّنھُمْ یٰٓاَھْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَکُمْ

(اور جب کہ ان (منافقوں) کی ایک پارٹی (یعنی اوس بن قبطی اور اس کے ساتھیوں) نے کہا۔اے یثرب والو! (یہاں) تمہارے قیام کا کوئی موقع نہیں۔۵۸

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیری حاشیے میں اطلاع دی ہے:

''بغوی نے لکھا ہے کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کو یثرب کہنے کی ممانعت فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا: یہ طابہ ہے۔ حضور ﷺ نے مدینہ کو یثرب کہنا اس لیے پسند نہیں فرمایا کیوں کہ یثرب کا لفظ ثَرَبَہٗ ، یَثْرِبُہٗ اور ثَرَّ بَہٗ اور ثَرَّبَ عَلَیْہِ اور اَثْرَبَہٗ سے مشتق ہے(یعنی مادہ سب کا ایک ہے لیکن استعمال فَعَلَ یَفْعَلُ اور تَفْعِیْل اور افعال سے ہوتا ہے)اور ثرب ہویا اثراب یا تثریب سب کا معنی ہے ملامت کرنا، عار دلانا، کسی جرم پر ذلیل کرنا اور مُثَرِّب اس شخص کو کہتے ہیں جو بخشش میں دراز دست نہ ہو۔قاموس''۔۵۹

☆نبی اکرم ﷺ کو شہنشاہ کہنا:

بخاری شریف میں ''باب ابغض الاسماء الی اللہ تبارک وتعالیٰ'' کے تحت ایک حدیث آئی ہے:

"قال قال رسول اللہ ﷺ اخنی الاسماء یوم القیٰمۃ رجل تسمی ملک الاملاک'' (حضور اکرم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ نام اس شخص کا ہوگا جو ''ملک الاملاک'' کہلاتا ہوگا۔ملک الاملاک کے معنی ''شاھانِ شاہ'' لکھے ہیں۔۶۰

☆اصحاب النبی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے برابر مرتبہ پانے کا بیان:

شاعر کا خود کو کسی طرح بھی نبی ﷺ کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ وعلیہم اجمعین کے برابر سمجھنا یا لکھنا انتہائی بے ادبی ہے۔صحابیت کا رتبہ جن کے نصیب میں تھا انھیں مل چکا اب کوئی بھی یہ رتبہ نہیں پاسکتا۔امت کا بڑے سے بڑا ولی بھی یہ دعویٰ کرے تو اسے ہم صرف اور صرف شطحیات کے ذیل میں رکھیں گے۔مثال کے طور پر ایک شاعر نے کہا:

''قریبِ حضرتِ محبوبِؐ داور ہوتے جاتے ہیں اب آپ سلمانؓ وابوذرؓ ہوتے جاتے ہیں'' ۶۱

اس شعر میں جو دعویٰ ہے وہ روحانی واردات کے لحاظ سے کتنا ہی سچا کیوں نہ ہو، شعر بہر حال مبالغہ آمیز ہی تصور کیا جائے گا اور شاعر کا دعویٰ ہرگز ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ دیگر شعرا کو بھی مشورہ دیا جائے گا کہ اس قسم کے مبالغے سے اجتناب کریں۔ نقادانِ فن اور محققین بھی ایسے اشعار پر گرفت کریں گے۔

☆روزِ جزا کی پرسش سے بے خوفی:

نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ''روزِ جزا'' اپنے امتی کی شفاعت کرنے کا معاملہ صدفی صد اللہ کے ''اذن'' پر منحصر ہے۔ اللہ رب العزت نے خود فرما دیا ہے:

''مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْ م بَعْدِ اِذْنِہٖ ط'' ۶۲

''نہیں ہے کوئی شفاعت کرنے والا مگر بعد اس (اللہ) کی اجازت کے''

ایسی صورت میں کسی شاعر کا یہ کہنا کہ میری شفاعت تو ہو ہی جائے گی اس لیے مجھے روزِ جزا کی پرسش کا کوئی خوف نہیں ہے، بہت بڑی جسارت ہے۔ امید بڑی اچھی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ نے ناامیدی سے منع بھی فرمایا ہے۔ لیکن کسی تصور کو قطعیت کے ساتھ اس طرح شعری بنت میں لانا کہ امت کے گناہگار، قیامت سے بے خوف ہو جائیں، قطعی مناسب نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ایک شعر کی تضمین کے تین مصرعے اور وہ شعر، یعنی خمسے کا ایک بند پیشِ خدمت ہے:

''گنہ کا غم نہیں حافظ، خطا کا غم نہیں حافظ ہلال اعمالِ بد کی انتہا کا غم نہیں حافظ
یہ دنیا ہو کہ عقبیٰ ہو سزا کا غم نہیں حافظ مجھے کچھ پرسشِ روزِ جزا کا غم نہیں حافظ
کرم سرکار کا غالب ہے میرے بارِ عصیاں پر'' ۶۳

☆شاعرانہ تعلّی:

شعری ادب میں شاعرانہ تعلی کا پایا جانا ایک معمول کی بات ہے۔ لیکن نعت میں تعلی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس وادی میں داخل ہونے والوں کو یہاں کے تقدس کا احساس ہوتا ہے یا ہونا چاہیے اس لیے یہاں بڑے بڑے شعرا اپنے اشعار میں عجز کا اظہار کرتے ہیں۔ البتہ بعض نعت نگاروں نے اس مقدس صنفِ سخن کی تخلیق کے حوالے سے بھی تعلی کے مضامین باندھنے کی جسارت کی ہے۔ اس سلسلے میں اگر اعتدال سے کام لیا جائے تو توفیقِ مدحِ مصطفےٰ ﷺ حاصل ہونے پر کچھ فخر کیا جا سکتا ہے، لیکن بعض شعرا کے یہاں تعلی کا ویسا ہی شاعرانہ غرّا پایا جاتا ہے جیسا کہ غالب کے درجِ ذیل شعر سے مترشح:

''ما نہ بودیم بدیں مرتبہ راضی غالب شعر خود خواہشِ آں کرد کہ گردد فنِ ما''

(اے غالب، ہم تو اس مقام و مرتبے (شاعر ہونے) پر راضی نہ تھے۔ خود شاعری نے یہ خواہش کی کہ وہ ہمارا فن بن جائے)۔ ۶۴؎

رشید وارثی کی کتاب میں ''اردو نعت اور شاعرانہ تعلّی'' کے عنوان سے ایک بھرپور مضمون موجود ہے۔ لیکن اس میں انھوں نے شعری مثالیں دیتے ہوئے شعرا کے نام حذف کر دیئے ہیں۔ بہر حال اس موضوع پر ان کی تحریر لائق مطالعہ ہے۔ رشید وارثی نے تخلص حذف کر کے ایک شعر نقل کیا ہے، جسے یہاں مثال کے طور پر مع ان کے تبصرے کے پیش کیا جاتا ہے:

''خود بینی و خود ستائشی انسان کو کس قدر خود فریبی میں مبتلا کر دیتی ہے، اس کا اندازہ تعلّی پر مبنی اس شعر سے لگایا جا سکتا ہے:

(تخلص) شرف ملا ہے یہ نعتِ رسولؐ سے ۔۔۔ جس جا ہے ان کا نام، وہیں تیرا نام ہے'' ۶۵؎

اسی طرح 'اعجاز رحمانی کا ایک شعر ہے:

''کوئی حسانؓ ہے کوئی اعجازؔ ہے ۔۔۔ کیسے کیسے ہیں مدحت سرا آپؐ کے'' ۶۶؎

اس شعر پر ذرا غور فرمایئے کہ شاعر موصوف نے خود کو صحابی اور شاعرِ رسول ﷺ، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے برابر ظاہر کر کے یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ کیسے کیسے اچھے، معتبر، بڑے، قادر الکلام اور عظیم شعرا، آپ ﷺ کی مدحت میں مصروف ہیں۔

حضورِ اکرم ﷺ کی مدح سرائی کی توفیق مل جانا' بہت بڑی سعادت ہے لیکن کسی شاعر کو اس دربار میں اس طرح کی تعلّی کی جسارت قطعی نہیں کرنی چاہیے۔ شاعر نعتیہ شاعری کر کے پیروِ حسانؓ ضرور ہو گیا ہے لیکن حضرت حسانؓ کا ہم مرتبہ نہ ہوا ہے، نہ ہو سکتا ہے۔ اس شعر میں ''آپ ﷺ'' کی ضمیر کو ''مخاطب'' سمجھا جائے تو بات انتہائی درجہ گستاخی آمیز ہو جاتی ہے۔ کیا حضورِ اکرم اپنی مدح کے سلسلے میں کسی شاعر کے محتاج ہیں؟...... کیا خالقِ کائنات نے ان کی توصیف قرآن میں کچھ کم بیان کی ہے؟...... کیا حضرتِ حسانؓ نے کبھی کوئی تعلّی آمیز شعر کہا تھا؟...... سارے سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔ پھر ایک ادنیٰ شاعر کو ایک عجمی زبان میں کچھ نعتیہ اشعار کہہ لینے پر ایسے ہی بغلیں بجانی چاہییں؟...... بہر حال دعا ہی کی جا سکتی ہے کہ اللہ رب العزت شاعر کو توبہ کی توفیق بخشے (آمین)۔

چلتے چلتے لفظوں کی جستجو اور تلاش کی پُر خلوص اور قابلِ تحسین کوشش کا ایک واقعہ بھی سن لیجیے:

کلیاتِ حفیظ تائب میں خورشید رضوی نے ایک واقعہ بیان کیا ہے جس سے حفیظ تائب کے شعورِ نقد پر روشنی پڑتی ہے۔ حافظ افضل فقیر نے تائبؔ کے ایک شعر میں لفظ ''حاصل'' سے بے اطمینانی ظاہر کی تھی۔ کچھ

عرصے بعد تابؔ نے ''حاصل'' کو ''غایت'' سے بدل کر انہیں سنایا اور انہوں نے اتفاق فرمایا کہ واقعی لفظ ''غایت'' ہی وہ غایت تھی جس تک طائر خیال رسائی چاہتا تھا اور پھر کہا: ''مولانا! تمہاری جستجو کی بھی داد دینی پڑتی ہے''

اس واقعے سے لفظوں کے استعمال میں احتیاط اور مشورہ قبول کرنے میں انا کی سپر اندازی کی قابلِ تحسین اور لائقِ تقلید مثال سامنے آتی ہے۔ لفظ کی تبدیلی کے بعد شعری حسن میں اضافے کی صورت بھی بڑی واضح ہے:

وہ کہ ہے حاصلِ سنین و شہور　　　وہ کہ ہے سوز و ساز نبض حیات

وہ کہ ہے غایتِ سنین و شہور　　　وہ کہ ہے سوز وسازِ نبضِ حیات ۶۷

غور فرمایئے۔ حاصل کے لغوی معنی کھیتی کی پیداوار کے ہیں جب کہ، لفظ ''غایت'' غرض، مقصد اور مطلب کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ والا صفات، کائنات کی تخلیق کا سبب ہے، حاصل نہیں!

نعتیہ ادب میں تخلیقی، تنقیدی اور تحقیقی کام کرنے کے لیے جس آگاہی کی ضرورت ہے وہ صرف چند نکات ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ اس کی وسعتیں بے کنار ہیں۔ لیکن امید کی جاتی ہے کہ ان چند نکات کی روشنی میں قارئین مزید نکات خود تلاش کر لیں گے کیوں کہ ہر تخلیق اپنے اندر ہی تنقیدی اور تحقیقی جہتیں بھی رکھتی ہے۔

اختتام پر اہم ترین نکتہ یہ پیش کرنا ہے کہ شاعری کرتے ہوئے، اسے پرکھتے ہوئے اور اس پر تحقیق کرتے ہوئے انتہائی معروضیت (Objectivity) کا مظاہرہ کرنا لازمی ہے۔

حواشی:

۱۔ Kalim-ud-din Ahmad, The Meaning of Criticism, (National Book Foundation, Islamabad, First Edition 198,) page 21.

۲۔ Ibid Page 11

۳۔ وقار صدیقی اجمیری: ''حرف حرف خوشبو''، فرید پبلشرز، اردو بازار، کراچی، ۱۹۹۸ء، ص ۱۸۔

۴۔ ماجد خلیل: ''روشنی ہی روشنی''، دبستانِ وارثیہ، اورنگی ٹاؤن، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص ۲۳۔

۵۔ ''کلیاتِ میر تقی میرؔ''، مجلسِ ادب، لاہور، طبع دوم جون ۱۹۸۶ء۔

۶۔ عابد حسین عابدؔ: ''زمزمۂ نور''، رشید پرنٹنگ ۷۶ پوش آرکیڈ پلازہ، جی نائن مرکز، اسلام آباد، جنوری ۲۰۱۴ء، ص ۱۴ ......ص ۴۳۔

۷۔ منظر پھلوری: ''ماہِ حراعلیہ'' ، احسن پبلی کیشنز، فیصل آباد، ۲۰۱۴ء، ص ۲۵۔
۸۔ ''عکاس''، اسلام آباد، جلد ۱۵ شمارہ ۴ تا ۱۲، اپریل تا دسمبر ۲۰۰۸ء، مدیر طارق نعیم، ص ۴۵۔
۹۔ فرقان ادریسی: ''نعمتِ عظمیٰ''، حلقہء فکر و دانش، کراچی، ۲۰۱۳ء، ص ۶۴۔
۱۰۔ عارفہ خان عظیمی عارفہ: ''محبوبِ کبریا محمدﷺ''، عثمان عمر باسط پرنٹرز، لاہور، ۲۰۱۴ء ص ۴۹۔
۱۱۔ ڈاکٹر ریاض مجید: نعت...... ''موضوعِ محض'' سے ''معجزہء فن'' تک، مشمولہ نعت رنگ ۲۲، کراچی، ستمبر ۲۰۱۱، ص ۱۱
۱۲۔ نعت رنگ شمارہ ۲۰، ص ۱۲۸۔
۱۳۔ ایضاً ص ۱۲۵۔
۱۴۔ ایضاً ص ۱۲۲۔
۱۵۔ امام حاکم، المستدرک، ج اول، ص ۱۱۵...... ابنِ ماجہ حدیث نمبر: ۳۹۳۹، ج ۲، ص ۵۶۰۔
۱۶۔ القرآن ۲:۴۹۔
۱۷۔ رزمی جے پوری: ''جواہر النعت''، (فیڈرل بی ایریا، کراچی) ۱۹۸۱ء، ص ۶۲۔
۱۸۔ (ماہِ حرا ص...... ص ۷۶)
۱۹۔ ایضاً...... ص ۸۶)
۲۰۔ (ایضاً ص...... ۶۳، ۶۷، ۶۹)
۲۱۔ کاندھلوی علامہ حبیب الرحمن صدیقی: ''مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت، حصہ اول''، (الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ، مکان نمبر ۳۔ ۷۔ اے، بلاک نمبر ۱، ناظم آباد، کراچی) س۔ن۔ ص ۲۲۳۔
۲۲۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین ﷺ، ج دوم، (مکتبہء اسلامیہ، اردو بازار لاہور) جون ۲۰۰۶ء، ص ۹۵
۲۳۔ القرآن ۱:۱۷۔
۲۴۔ القرآن النجم آیات ۱۶ تا ۱۸۔
۲۵۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری: ''ضیاء القرآن''، ج پنجم، ۲۵۔
۲۶۔ ہلال جعفری: ''کشکولِ ہلال''، (بزمِ شعر و ادب، اسلام آباد)، ستمبر ۲۰۰۰ء، ص ۲۴۰۔
۲۷۔ ایضاً ص ۲۳۸۔
۲۸۔ قمر رعینی: ''ولائے رسول ﷺ''، (کتاب ساز پبلی کیشنز، راولپنڈی کینٹ) اشاعت اول رجب المرجب ۱۴۲۳ھ، ص ۸۹۔
۲۹۔ زمزمہء نور، ص ۴۳۔
۳۰۔ توفیق الحکیم: ''محمد رسول اللہ ﷺ''، ترجمہ: عطیہ خلیل عرب، شاہکار بک کلب، بار سوم: ۱۹۷۵ء، ص ۴۲۸۔
۳۱۔ زمزمہء نور، ص ۱۷۔
۳۲۔ بقا نظامی عظیم آبادی: ''شہپرِ جبرئیل''، (مطب المرکز شفا، فیڈرل بی ایریا، کراچی) جنوری ۱۹۹۲ء، ص ۱۰۹۔

۳۳۔ القرآن۶:۴۱۔
۳۴۔ احادیثِ قدسیہ،مکتبہ رحمانیہ(اردوبازار،لاہور)س۔ن۔ص۱۴۔
۳۵۔ ظہورالحسنین شاہ، سید، ظاہر یوسفی تاجی،(ناشر محمد سعید خاں نور بھائی جعفر بھائی، مشن روڈ، کراچی) ۱۹۶۲ء، ص۵۱......ذوقیؒ،سرِ دلبراں،(نارتھ ناظم آباد،کراچی)ص۴۶۰۔
۳۶۔ شہپرِ جبرئیل،ص۸۴۔
۳۷۔ امام جلال الدین سیوطی:''الخصائص الکبریٰ فی معجزات الوریٰ''، ج اول (مکتبہ اعلیٰ حضرت، دربار مارکیٹ، لاہور)۲۰۰۶ء،ص۱۸۰۔
۳۸۔ غوث متھراوی:''بلاوہ''،(ڈیفینس اتھارٹی فیز فائیو،ایکس ٹینشن،کراچی)نومبر۱۹۹۲ء،ص۵۵۔
۳۹۔ ڈاکٹر عندلیب شادانی:''دورِحاضراورغزل گوئی''،(شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور)۱۹۵۱ء،ص۷۹۔
۴۰۔ محمد الیاس عطار:''مغیلانِ مدینہ''،(مکتبہ المدینہ،شہید مسجد،کھارادر،کراچی)س۔ن۔ص۴۱۔
۴۱۔ شاہ محمد ذوقی:''سرِّ دلبراں''،(محفل ذوقیہ،نارتھ کراچی)طبع پنجم ۱۴۱۸ھ،ص۲۳۲۔
۴۲۔ نسیم امروہوی:'' مسدس نسیم مشتمل بر نعت و رحلت رسولِ کریمؐ''، (ناشر سید علی امروہوی، فیڈرل بی ایریا کراچی)س۔ن۔ص۸۷۔
۴۳۔ الخصائص الکبریٰ،ج دوم،ص۵۸۶۔
۴۴۔ ایضاً ج اول ص۱۵۔
۴۵۔ رشید وارثی:''اردونعت کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ''،شریعت اسلامیہ کے تناظر میں،(نعت ریسرچ سینٹر،کراچی) اپریل۲۰۱۰ء،ص۳۱۱۔
۴۶۔ اقبال:''کلیاتِ اقبال''،اردو،سروسز بک کلب،۱۹۹۵ء،ص۹۶۔
۴۷۔ کلیاتِ باقیاتِ شعرِ اقبال،مرتبہ:ڈاکٹر صابر کلوروی،اقبال اکادمی پاکستان،طبع اول:۲۰۰۴ء،ص۹۹
۴۸۔ ڈاکٹر ا۔د۔نسیم:''شرح جاوید نامہ''،(شیخ محمد بشیر اینڈ سنز،لاہور)س۔ن۔ص۱۷۷۔
۴۹۔ مولانا الطاف حسین حالی:''یادگارِ غالب''،(خزینۂ علم وادب،اردوبازار،لاہور)۲۰۰۲ء،ص۸۰۔
۵۰۔ مولوی نجم الغنی رامپوری،:''بحرالفصاحت''،حصہ دوم،(مجلس ترقی ادب،لاہور)طبع دوم دسمبر۲۰۰۶ء،ص ۸۵۔
۵۱۔ قمر عینی،ولائے رسول ﷺ،ص۲۴۔
۵۲۔ القرآن ۷۸:۱۰۔
۵۳۔ القرآن ۳۷:۴۵۔
۵۴۔ اردولغت،(اردولغت بورڈ،کراچی)
۵۵۔ مغیلانِ مدینہ،ص ۳۵۔
۵۶۔ اردولغت

۵۷ اردو نعت کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۲۱۷۔
۵۸ القرآن ۱۳:۳۳۔
۵۹ تفسیر مظہری، جلد نہم، ص ۲۲۵۔
۶۰ صحیح بخاری۔
۶۱ شہپرِ جبرئیل، ص ۱۲۵۔
۶۲ القرآن ۳:۱۰
۶۳ کشکولِ ہلال، ص ۲۳۱۔
۶۴ غالب: ''کلیاتِ غالب'' (فارسی) مع شرح، (مکتبہ دانیال، لاہور) ۲۰۰۴ء، ص ۲۳۔
۶۵ اردو نعت کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۲۵۶۔
۶۶ اعجاز رحمانی: ''چراغِ مدحت''، (قومی ادبی سوسائٹی پاکستان، کراچی، نارتھ کراچی) ۱۹۹۶ء، ص ۱۱۸۔
۶۷ ''کلیاتِ حفیظ تائب''، القمر انٹر پرائزز، لاہور، طبع دوم، ص ۲۷۔

فہرستِ اسنادِ محولہ:

کتب:

۱۔ ''احادیثِ قدسیہ''، سن ندارد، مکتبہ رحمانیہ، لاہور۔
۲۔ اجمیری، صدیقی، وقار: ۱۹۹۸ء، ''حرف حرف خوشبو''، فرید پبلشرز، کراچی۔
۳۔ ا۔ د۔ نسیم، ڈاکٹر: سن ندارد، ''شرح جاوید نامہ''، شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، لاہور۔
۴۔ اقبال: ۱۹۹۵ء، ''کلیاتِ اقبال''، اردو سروسز بک کلب، لاہور۔
۵۔ اقبال: ۲۰۰۴ء، مرتبہ ڈاکٹر صابر کلوروی ''کلیاتِ باقیاتِ شعرِ اقبال''، طبع اوّل، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور۔
۶۔ الازہری، شاہ، محمد کرم، پیر: ''ضیاء القرآن''، جلد پنجم۔
۷۔ الحکیم، توفیق: ۱۹۷۵ء، ترجمہ: عطیہ خلیل عرب، ''محمد رسول اللہ ﷺ''، بار سوم، شاہکار بک کلب۔
۸۔ امروہوی، نسیم: سن ندارد، ''مسدس نسیم''، مشتمل بر نعت ورحلت رسول کریمؐ، ناشر سید علی امروہوی، کراچی۔
۹۔ پھلوری، منظر: ۲۰۱۴ء، ''ماہِ حرا ﷺ''، احسن پبلی کیشنز، فیصل آباد۔
۱۰۔ تاجی یوسفی، ظاہر، شاہ، ظہور الحسنین، سید: ۱۹۶۲ء، ناشر محمد سعید خاں نور بھائی جعفر بھائی، کراچی۔
۱۱۔ تائب، حفیظ: سن ندارد، ''کلیاتِ حفیظ تائب''، طبع دوم، القمر انٹر پرائزز، لاہور۔
۱۲۔ جے پوری، رزمی: ۱۹۸۱ء، ''جواہر النعت''، کراچی۔
۱۳۔ جعفری، ہلال: ۲۰۰۰ء، ''کشکولِ ہلال''، بزمِ شعر وادب، اسلام آباد۔
۱۴۔ حالی، الطاف حسین، مولانا: ۲۰۰۲ء، ''یادگارِ غالب''، خزینۂ علم وادب، لاہور۔

۱۵۔ خلیل، ماجد:۲۰۰۱ء، ''روشنی ہی روشنی''، دبستانِ وارثیہ، کراچی۔

۱۶۔ ذوقی، شاہ محمد:۱۴۱۸ھ، ''سرِّ دلبراں'' طبع پنجم، محفل ذوقیہ، کراچی۔

۱۷۔ رحمانی، اعجاز:۱۹۹۶ء، ''چراغِ مدحت''، قومی ادبی سوسائٹی پاکستان، کراچی۔

۱۸۔ رامپوری، نجم الغنی، مولوی:۲۰۰۶ء، ''بحرالفصاحت''، حصہ دوم، مجلس ترقی ادب، لاہور۔

۱۹۔ سیوطی، جلال الدین، امام:۲۰۰۶ء، ''الخصائص الکبریٰ فی معجزات الوریٰ''، جلد اول، مکتبۂ اعلیٰ حضرت، لاہور۔

۲۰۔ شادانی، عندلیب، ڈاکٹر:۱۹۵۱ء، ''دورِ حاضر اور غزل گوئی''، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔

۲۱۔ عابد حسین عابد: جنوری ۲۰۱۴ء، ''زمزمۂ نور''، رشید پرنٹنگ اسلام آباد۔

۲۲۔ عارفہ خان عظمی عارفہ، محبوبِ کبریا محمد ﷺ، عثمان عمر باسط پرنٹرز، لاہور، ۲۰۱۴ء ص ۴۹۔

۲۳۔ عظیم آبادی، بقا نظامی:۱۹۹۲ء، ''شہپرِ جبرئیل''، مطب المرکز شفا، کراچی۔

۲۴۔ عطار، محمد الیاس: سن ندارد، ''مغیلانِ مدینہ''، مکتبۃ المدینہ، کراچی۔

۲۵۔ غالب:۲۰۰۴ء، ''کلیاتِ غالب'' (فارسی)، مکتبہ دانیال، لاہور۔

۲۶۔ قمر یزدانی:۱۴۲۳ھ، ''ولائے رسول ﷺ''، اشاعت اول، کتاب ساز پبلی کیشنز، راولپنڈی کینٹ۔

۲۷۔ کاندھلوی، صدیقی، حبیب الرحمٰن، علامہ: سن ندارد، ''مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت''، حصہ اول''، الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی۔

۲۷۔ متھراوی، غوث:۱۹۹۲ء، ''بلاوہ''، کراچی۔

۲۸۔ منصور پوری، محمد سلیمان، قاضی:۲۰۰۶ء، ''رحمۃ للعالمین ﷺ''، جلد دوم، مکتبہء اسلامیہ، لاہور

۲۹۔ میر تقی میر: جون ۱۹۸۶ء ''کلیاتِ میر تقی میر'' طبع دوم، مجلسِ ادب، لاہور۔

۵۰۔ وراثی، رشید:۔۲۰۰۱ء، ''اردو نعت کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، شریعت اسلامیہ کے تناظر میں''، نعت ریسرچ سینٹر، کراچی۔

* Kalim-ud-din Ahmad, The Meaning of Criticism, (National Book Foundation, Islamabad, First Edition 1980,)

رسائل:

۱۔ ''عکاس''، اسلام آباد، جلد ۱۵ شمارہ ۴ تا ۱۲، اپریل تا دسمبر ۲۰۰۸ء۔

۲۔ ''نعت رنگ'' شمارہ ۲۰، ۲۲، کراچی۔